

عمران سیرز نمبر 40

د لچیت پ خداو شر

لکھا

کوئی نہیں جانتا کہ کب اس کے ساتھ گروش میں آجائیں ہا جوزف کے ہیں تھے میرے
عمران نے جس بونگی پیٹھے بٹھائے دے مصیبت اپنے سر مولیٰ تھی اور نہ کہاں عمران لور کیس ستر
پھاکیا.....!

سر پھاکیا کم از کم کہاں کے لگ بھک رہی ہوئی اپنا جانشی رکھ تھا؟ کمیں چھٹی
اور دندنی تھیں اپنے قدر تھیں۔ سکونت دلکشی تھیں مگر سے کی تھیں کم نہ تھیں۔
عمران کی پڑون تھی.....!

جوزف کا طالک ہے کہ وہ اپنے قیثہ سے تھی تھی لور اس کے ہاتھ میں لوہے کے پاپ کا
دوفٹ لے باکی کھلا تھا۔ اور وہ شاید جلدی میں کہیں جا رہی تھی۔ عمران باہر سے آیا تھا۔ رہنمے
میں دونوں کا سامنا تھا۔ عمران نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلادیئے اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔
سر پھاکیا بوکھلا کر دو قدم بیچھے ہٹی۔ حیرت کی بات تھی۔ سالہا سال سے پڑوی ہونے کے
باوجود آج تک دونوں کے دھمکیاں کبھی رکی جسم کی گھنکو بھی نہیں ہوتی تھی چہ جائیکہ اس طرح
بے تکلف انداز میں راستہ روک کر کھڑے ہو جاتا۔

”آج میں جواب سنتا چاہتا ہوں ذار بُک۔“ سکونت نے کہا۔
اور سر پھاکیا کامنہ حرمت سے کھل گیا۔ پھر وہ سفل کر برا کی آنکھ میں یوں۔
”میا باتا.....!

”وہ باتا جو میرے دل کی پکار ہے...“ عمران نے سینے پر ہاتھ رکھ کر شندی سانس لی اور

پردنے سکتے ہیں اس کا کوئی بھائی نہیں۔ اس کے لئے اس کو اپنے بھائی کے طور پر محب و مودت کا سبب ہے۔ اس کے لئے اس کو اپنے بھائی کے طور پر محب و مودت کا سبب ہے۔ اس کے لئے اس کو اپنے بھائی کے طور پر محب و مودت کا سبب ہے۔

ہدف کی کئے ملیں تھیں اور بنا کر تھے کیاں تھے..... کبھی وہ دکر گران کی طرف بنا
ادوں کی سر پر ڈال کر اپنے طرف پڑے۔ پس کہ اپنے دماغ کا ایسا لکھا تو شفیع نے کہا کہ اور پر
تھے بھی سے جو اپنی طرف پر کھے گئے تھے اور جو اپنے دماغ کا ایسا لکھا۔
اگر اس نے جو ہم کی حوصلت میں اگھس سے کوئی جانشینی سر جلا کر ادا کر رہا فی
گرد تھا میں: ...لئے صورت میں... اس
کچھ دفعے ستر ان فرشت پر اپنے لکھا تھا: ...لئے صورت میں... اس
تو افسوس نہیں ہوا بلکہ ... تو افسوس نہیں ہوا۔ ...لئے صورت میں... اس
حضر پڑھتا کیا کو لوگ اسکی نظر میں سے تھیں۔ لیکھتے تھے۔ ...لئے صورت میں... اس
ٹو ٹو انہیں کام طور پر تھیں۔ کہ جا بجا تھا کہ اس کا اصل مقصد کیا تھا اس کی پڑھ پڑھی ہے دورہ
اس میں خاصی کامی کر لیتی ہے۔

میران احتمل می ہو رہا تھا لیکن اس بات پر کسی کو بھی یقین نہ آتا کہ جس سے کسی بیوی کی اور
بیوی کی بیویت کو جیسا نہ کی جادت سر ددھلائی ہوگی۔
مگر اسی دوسری ایسی چکر معلوم ہوتا ہے۔ چکر کو یہاں ہونا لگتی ہے۔ ”عورت کو ان کروہی
کے... بھلاکے اسے جیسا نہ کی جائے گا۔... بھر کی یعنی....!

سز پشاکیا اسی طرح چکھاڑتی ہوئی اپنے قیمت کی طرف مڑ گئی اسکن دہ خوفزدہ تھی اشایہ سچ رعنی تھی کہ اس کے میان پر کسی کو بھی یقیناً نہ آئے گا۔ گھوڑوں اس کا سر تو پڑھتی تھی اور

وہ بیوی ش پڑا تھا... میر ممکن ہے یہ بھی سوچتا ہو کہ پڑوئی بھی اس سے خوش نہیں۔ کہتے ایجاد
ہو کر لینے کے وجہ پر ہماں میں۔

بہر جاں وہ اپنا اظہت مغلیں کر کے اگر بڑے بڑے تباہ ہر کتنی ایسا اندھی نہیں اس سے
نہیں زیادہ ہلا دیتا تھا تو اس ایشان قون کو فلیا۔

عمران کا چڑہ خوان سے تم تھا تو فرش پر بھی کافی تھا اسیں مل جائیں جو اخلاق اسلامی کا ایسا
جسے وہ ختم ہیں تو کہا ہو۔ مثلاً حجت کی تھا اسی برا بکار برا کار کی اس جو اخلاق اسلامی کا ایسا
اخلاق ہے اسی تھا ایسا بکار کو بھی عین نظر میں بھیں جانتے کہ اس نے یہ تھا۔ ایسا کہ کہا
کے کہنے سے پہلے عمران کو وہاں سے ہٹلائے جائے۔ معنوی بات تھی۔ جو رف و راتوں میں
الحمد لله اجاہا۔

بھی مولڈ جو رف شاید نہیں کی میں ہٹلے دا ہر کله کلا کو کھو دوں۔ ول ہاتھ دے جوں تو مسے۔

جہاں سا بات... یہ بھوریت تھا۔ اور باس کھو دیا۔ قدم عالم اخوتی چیزیاں۔ باس
منہ پھلا دیا۔ بھوریت پھر کھل دی۔ دروازے بند کر دی۔ ایسا کہ وہ کلا کو کھو دی۔ مسے جوں تھا۔
لوگوں کو اس کہانی پر سو فصد پیچن آیا تھا۔ پویس آئی۔ جو رف و راتوں میں
پھاکیا جنہیں عیار ہیں جیکن کون خدا! سا بات سے پڑوئی عمران ہی کی طرف سفری پر اندھے ہے۔

عمران بیوی ش پڑا۔ میر پھٹا کیا جوالات پہنچا دی گئی۔ لیکن جو رف و راتوں تھا اسکے
طرف عمران کی بھولی بیوی شی تشویش کا باعث تھی اور بعد سری طرف یہ خیال ملے۔ مسے دل دھکا کر
خواہ مخواہ ایک لیکی عورت جوالات پہنچنے کی تھے کج چیز پھیلے اگیا تھا۔!

اس نے میں پر کر اس بیٹیا اور گڑھ گڑا نے لگا۔

”او خدا... تو نے دیکھی ہے... میر ہی بھجوئی۔ اگر جھوٹ نہ ہو تھا تو لوگ باس پر
تحوکتے... باس کا دماغ کیوں جعل گیا تھا... یہ تو ہی بہتر جان لیتے۔ تو نہیں ہی جاں لیتے تھا تو ہی
جانے... میں کیا کر سکتا ہوں قادر... تو نے ہی باس کو بھی بیٹیا ہے... مجھے بھی بیٹیا ہے اور
اس حرامزادی کو بھی... مجھے معاف کر دے۔ سب کو معاف کر دے۔“

عمران بیوی شی ہی کی حالت میں ہپٹاں پہنچا دیا گیا۔
بات کی سکی طرح جو لیٹا فڑھا۔ لیکن بھی جا چکی۔ اس واقعہ کو چہ کھنٹ کر۔ چے تھے

..... ملکی عمران کا بھائی تھا اور وہ بھائی سچال کے جوں پرست تھا تو اس نے
تمامی اگریوں پر خدا نظر لے کر اسے عمران کے بھائی کے پاس رکھ دیا۔ اسی نظر پر خدا نظر لے کر
جو لیا فتوح و امداد کو دی کر اس نے خود کی مدد اور کاروبار کا اندھہ کیا۔
تمہارے... میں تھا تھا کا پانچاہو اپنی طلاق اٹوبر کرو۔ اسکے بعد اس کا حمل وار پرست کا دن
قریب ہے۔ آہل ہاپ سب کو معاف کرو دے... آئیں ۲۳

..... میر اس نے سینے پر کراس بیلڈ اور سر جما کر ملکہ اور اس کی
جولیاں پہنچائی۔ ابھی شاندار عمران پر چھوٹا
..... کیا اکابر رہے ہے۔ اس سفید باری کی دلخواہیں پرست
..... اگر ملکیوں کی کہاں سکی کہ تم نے سب خداوندی کی دلخواہی کی کیا
کیا یہ ساقوں پر اُن بول رہی ہے؟ جو لیا جعل کیا اسے صرف ایسا یہ معلوم ہو گا کہ خداوند
کی نے عمران کا سر پچھاڑا ہے تو وہ سول سنتاں میں پہنچیں کام کام نہیں ہو جائے۔ اس
تو اُسی... بو اُس کا وہ شک کوئے سکی اور سمجھنے نہیں پڑے۔ اُنکن جو لیا ہے اس
آئندہ سمجھنے کی وجہ سے اُن کو تھیں بھی اپنے سر پھالوں کا۔ اسی اس طبق
جو بھتے غصیل نہدوں کی حدود کی تاریخی پر بھی۔ اس کی آخر کی بات کی جسی چیز اس طبق
ہے وہ سکو گے۔ پہلے وہی بتاؤ تاکہ مجھے آسانی ہو۔

جو زوف کا سہ کھل دیا۔ اس نے جلدی جلدی ملکی بھیج کر کھل دیا۔ ملکی میانے کے
بوجا۔ ”میری خلی خلی جو کئی سے سکتی ہیں کامیابی ہے ملکوں میں“ ۲۴

”وہ کیسے زخمی ہے اخفا؟“ جو لایت زرم بچھے شکریوں پر
..... ”مز رپھا کیا...“ جوزف نے کہا اور سر جھکنے لے کیا۔ سمجھنے لگئیں اس کا کام کا کام اس سے کیا
تھا۔ سمجھو شکریوں کی بھائی بات کہے۔ کہاں نے ملکہ جعل نہ کی۔ اس سے خدا نظر لے کر
جی چکا ہوں لہذا اب جو لوٹے ملکہ کیا کہا کرد۔ اس جھوٹ لوٹے کی سزا مجھے ضرور ملے گی۔ اگر تو
نے معاف کر دیا تھا۔ یہ بھی معاف کر دے گا کوئی خاص جھوٹ نہیں لئے تھے۔ نہیں جائز۔“ ۲۵

”کے تم پھر خاموش ہو کرے؟“ جو لیا نہ آجھیں نکالیں۔

”کھو... وہ...“ جوزف پھر کچھ پڑا۔ تمہاری سی دراصل بات یہ ہے کہ جو وہ... مسٹر پھٹا کیا

ہے نا... اس سنبھال کو جیسا تھا... کہتے گئے تم نہ سمجھی... مرغی چڑھی ہے... بیس کو
پھر آکیا... انھوں نے کہا اور انکے "ڈار انک!"

"اوہ... عوف اد کیوں من دی کجھ سے نہیں... دل فٹکیں کچھ نہیں آئیں۔ مطلب یہ کہ
بیان کو بھی پھر آکیا۔ اس نے اسے برا بھلا کیا۔ اور اسی حالت نے انہیں لے ہے کہ پانپ سے جلد
گردیا... اور خدا تو دیکھ رہا ہے... میں مجود ہوں۔"

"کوئی سوت کر دتم بھونے ہو۔ جوزف گزیو گیا۔" کچھ بات تابک!

"اجھی بات ہے... سکیا۔" جوزف نے ٹھیک سافنی لے کر کھا۔ "جب وہ ہوشی میں آ
جائیں تو انہیں سے پوچھ لیتے۔" کہاں ہے؟

"وہ ساتھ جزل ہوئے۔ بہتر نہیں گیا۔" جو تفت نے ایک سچھ جھینڈا کر کے کھا۔
ٹھوٹھوڑے میں آئی۔ عمران اب بھی بیکھر پڑا تھا۔
اس کے جھوے پر بیکھر کی مصوبت تھی۔ جو جولیا نور سے ذکریا میں بھی ادا۔ پھر یہ جیکس اس
کا اعلیٰ بھر آیا۔ پھر ہوش دستیوں میں دبا کر وہ در دلائی کی طرف ہوئی۔ ذاکر نئے کر رئے ہیں اکر
صادر کو فون کیا۔

در اصل عمران کو لاوار ٹھوں کی طرح جزل اور ذمیں پڑے دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئی تھی۔
ذاکر کے کر رئے سے وہ لان پر آگئی اور وہیں شہر کر صور کا انتظار کرنے لگی۔ جوزف تیزی سے
اس کی جانب آیا۔

"ہوش آیا میںی! اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں۔" جولیا نے اس کی آنکھوں میں دیکھنے ہوئے کہا۔ "تم آخر بھی پاٹ کیوں نہیں
باتے...؟"

"بس اب میں کچھ نہیں کہوں گا میںی!" جوزف نے بر اسمانہ بنا کر کہا۔ "حوالات چلی جاؤ اسی
حراف سے پوچھ لو... وہ تمہارا اول خوش کر دے گی...."

"میاں بک رہے ہو؟"

"اہ دو کے کی کہ بس نئے نئے بھیڑا تھا اس سے جتن کرنا چاہیے تھا۔ جو لیکھنے اپا و مخیل کھول کر دیں گا ایک نوٹ ٹھلا اور اس کی خوف بینانے جوئی ہوں گا پہلے دوڑ کریں آف۔ مگر بات کر دیں گی تم۔"

جذب کے تھے پر زیر کے آہن دکھائی تو یہاں نے اپنے سوچا اور بس وہی کے
تمن نوٹ سمجھنے کا سوچتا ہوا اپنے بڑے لکھ تھے۔ تھیں بھت بڑے آدمی کا لالہ جسے عالم بتتے۔ میری
تو یہاں نہ کرو۔ ملک بھلے ہے مر جاؤں لیکن میں وہ قوت سمجھ دیتا ہے مگر ہوشیار ہو جس تک کہ بس کو
ہوش نہ آجائے۔

پھر اس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں لیکٹ بجی جسی صندلی لی۔

جو لایا کھلی کی جو کر دوسری طرف ملکی اور جو فسیل کھلی ہے ان میں جوں نے مجھے باں
کیاں نہیں منکر دیا۔ لکھ کر جیش اور انتظام کرنے والے کو نہ کہ آئنے پڑے اسی ساتھ
”میں مطلب“ دہلٹ کر اسے گھوڑتی ہوئی بولی

”بھارت کو ساڑھے چار بجے تک لاٹی ہٹولی سے دودھ ہنا چاہیے۔“ جو نہ سرخ ٹھوں کے
مانیں پھن کاڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

جو بیمار اسامنہ بنائے ہوئے تھے پھاٹک کی طرف دیکھنے لگ۔
یک بیکھڑاں نے ایکس فائر کل آواز کی بعد پر متصدیہ یہ رکھ پر دوزتے بٹکتا۔ فائر
کی آواز بھی اضافہ دور کی تین معلوم ہوئی تھی۔

1

فائز میں جاپ سے ہوا تھا لورگوں کی چھپے سے صرف ایک پاشٹ کے خاتمے سے ہے مدد و آنی!
کلی چھستہ والی پاسکارڈ اس کار کا ایک بینیت فٹ پاٹھ پر بھائی تھا جوں یونیورسٹی کوڑے ہوئے
ایک پیٹھ سے جانکی ورنہ اٹھ جاتے میں کوئی دفعہ ماذی نہیں۔ اتفاق۔

مخدود نہ پورے، یک دلائی کے لئے ملے اور کامیابی کے مالے ملے بھی بند کر دیتے۔ فتح پا تھے جو بلاگہ کلیٰ تھی اور منہ شکے مل اس طرح گرا فاقہ کا نا تکمیر ہوا ہی سے ایک جو رہنی تھیں۔

ل چاروں طرف سے دوڑ پڑے ... لیکن صدر ان کے تربیت پختے سے پہلے یہ عجلہ میڈا
لیکن عالمی پیغام اپنی تھی لیکن وہ درست نہیں کر سکتا۔ پہلی بارہوں کو کر رہا تھا میرزا مسی

کی لوبت نہیں آئی تھی۔ پھر میں میں شاہ مسولی تراویں بھی تھیں۔

وہ بھی کی باتی کا حواب دیے بغیر گاڑی کو دھکیل کر اس کا ایک پیچہ فٹ پاتھ سے بیچ اتارنے لگا۔ اتنے میں جو لیا بھی آپنگا ہمال سے سوال اپتال۔ قریب ہی تھا کہ ”کیا ہوا کیا ہوا۔“ اس بنے بوکھا لئے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

”صدر قدر آکو دلچسپی میں دھڑا۔“ آپ سے مطلب...؟“

اور جو لیا ششہر رہ گئی۔ کئی راپرورون کو صدر کے لئے راوی پڑا۔

”آپ بڑے بد تیز معلوم ہوتے ہیں جاتا!“ ایک نے کہا۔

”آپ سے مطلب؟“ صدر اس پر بھی السریرا۔

جو لیا آہستہ آہستہ پیچے کھکھتے گی۔ غالباً وہ بھی گئی تھی۔ صدر کی وجہ سے مخالعی نہیں ظاہر کرنا چاہتا۔ غیبت کی تھا کہ دور بحکم کوئی ڈریوں کا نشیل نہیں اور کھانی دے دے تھا در نے صدر کو تھانے کا منہ دیکھا پڑتا۔

فائز کی طرف کسی نے بھی دھیان نہیں دیا تھا۔

”پڑے نہیں کیسا آدمی ہے؟“ کئی آزادیں آئیں۔

لیکن صدر گاڑی میں بینہ کرو بدلہ وہ بخی اشارہ کر چکا تھا۔

سول اپتال کے پہلک کے قریب اس نے اپنی گاڑی رٹھمن اسٹریٹ میں ہمزوی اور دوسری سڑک پر نکل آیا۔ جس عمارت بے بھی فائرنگ ہوا ہوا اس تھی اور پری منزل کے زینے انہیں سڑک پر بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن اسے زینوں کے کیا سر دکارا! وہ تو صرف اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ ان درکھا جملہ کس عملت سے ہوا ہو گا۔

ویسے غالباً یہ حافظتی تھی کہ وہ اب بھی انہیں اطراف میں موجود تھا۔ بھلا دوسرے تھے سے بھی حملہ آور کو کون روک سکتا ہے۔

گاڑی تیزی سے ہو چکی جلی گی۔ پھر وہ بھٹک بھٹک مذل کا لوٹی کے پہلک نیلوغون بو تھ کے قریب رکا۔ اس پاں کوئی ایک گاڑی تھے اور کھانی دی جس کے متعلق سچا جا سکتا کہ وہ اس کا تعاقب کرتی ہوئی آئی ہو گی۔

بو تھ میں آکر اس جنگ جنگ نہیں کے نئی رنگ کئے۔ دوسری طرف نہیں موجود تھا۔

”کلو۔ ویکھو! میں صدر بول رہا ہوں۔ مظہر کیڑا کو جو لیا تھا مجھے سول اسیں مل جائیگا۔“
”تھا؟ وہ شایع اس وقت بھی دیں ہے۔“

پھر سلسہ منقطع کر کے کھٹکن خدا سجد اپنے قدم کیڈ

”لیں اف اخافو۔“ دوسری طرف نے آواز آئی۔

”لش فندر ہوں۔ مری روز پر کسی نے تھوڑا کیا تھا۔“ کچھ بھی منت پڑے کی بات ہے
شہر ہے شایع لفڑک سے فائز ہو اتھ۔“

”ترخی تو نہیں ہے؟“

”جھٹکاں بال پچاہ نہ کوئی کم اور کم تاک کامنیا تو کریں۔“ تھی۔ میں وہ رائی کر رہا تھا۔“
”وپر...؟“

”مر اخیال ہے کہ وہ آدمی جو شاید اور گلابی جس کی گمراہی ہمود نوں کرو جائے۔“
”کیا تم سمجھتے ہے کہہ سکے کہ ہم کتنے آدمیوں کی گمراہی کر سکتے ہیں؟“

”شاردار لفڑک ہے۔“

”کلوو!“ حارستے دوسری طرف سے بات کاٹ دی۔ ”شاردار لفڑک میں متعدد قلیت ہیں
وہ ان میں لخت کرایہ دار ہتھ ہوں گے....!“

”پوری بات لکھی تو سویلاد!“ صدر جانا گیا۔ ”میں انھیں میں کسی کان لیکی جائش تھی۔
لیکے بکھر وہ آدمی ساختے آیا۔ اور پھر اس کی چیزوں غرائب درج کی وجہ سے بسکے اس کے
لئے جسے والوں کی بھی گمراہی کرنی پڑے۔ اب اس لفڑک کو بھی کہا جائے گی کوئی لشکر یا جان بھی کوئی ایسا
جسے جانے والا سے کسی تم کا تعزیز رکھتا ہو۔“ پھر اخافو ازھر ہے۔ ورنچی یعنی یعنی ملکنا ہے کہ اس
وقت واسطے قاتراہ کا اس سے کہنی تعلق نہ ہوت۔“

”اچھا جگ۔“ ”خاور کے لیے میرا اکھیں تھیں۔“

صدر سلسہ منقطع کر کے بوڑھا ہے پھر آگئا۔

”کھجور بید وہ اپنے بیٹگا میں سار جنت نہیں سے فون پڑ دو بدھ کھنکو کر رہا تھا۔“
”یہ خر تکلیف دہ بھی ہے تو رمحکے خردی!“ صدر نے شخصیہ مائن لے رکھا۔
”ہوش آکھا ہے۔“ میں اسی معلوم ہوتا ہے۔ یہ دو افراد کا کیا ہوا اور کیا نہیں کا خیال ہے۔

کہ جاں تھوڑا تھر نہیں... اگر چنانچہ ملائے ہو تو پاک خروں ہو جائے گا۔ ”

”کیا مطلب؟“

”فی الحال نہ تودہ ہوش کی باتیں کر رہا ہے... معذہ کیوں کہے ہی سکتا ہے...“



محکم سراغ سانی کے دفتر کی شریز لکھان صاحب مختار دار انداز میں اپنی بینی شریا کی طرف
ڑپے... جو دریے سے بیٹھی سک رہی تھی۔

”تو پھر بناو... میں کیا کروں؟“ انہوں نے تھکی ہوئی کی آواز میں پوچھا۔

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں ذیہی؟“ شریبد ستور سکیل لیتی ہوئی بولی۔ ”لکھان بی کو
غش پر غش آرہے ہیں...“

”مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ یہ جلتا۔“ رحمان صاحب بھجن گھا لگئے۔

”تو کیا بھائی جان اسی طرح لاوار ٹوں کی بڑھ جڑل دارڈ میں پڑے رہیں سکے؟“

”نہیں۔ کوئی عورت ہے... جو لیا فقرہ اڑ۔ اس نے اسے پرانی بیٹی والدہ میں منتقل کر دیا
ہے۔“ رحمان صاحب نے ہونتوں میں تھر آہیں کھپا پیدا کر کے کہا۔ ”اور وہ حصی بدھعاش اس
کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔“

”تو اب وہ انہیں لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے جائیں گے؟“ تھر لگے لجھ میں بھی کچھ
عیزی آگئی... اور رحمان صاحب نے اسے گھوڑا کر دیکھا۔ مگر شریا تو اب بھی سر جھکائے بیٹھی
تھی۔ گھر میں کون تھا جو کبھی رخان صاحب سے آعصیں ملا کر بھی گھٹکو کر سکتا۔

”ویکھو۔“ رحمان صاحب نے تھر لجھ میں کہا۔ ”جو تم لوگ کرنا چاہو کرو، لیکن مجھے اور زیادا
المحتنوں میں جتنا کرنے کی ضرورت نہیں... یہ بھی جانتی ہو کہ وہاں حل کو کیسے پہنچانا۔“

”میں کچھ نہیں جانتی ذیہی۔ مجھے تو سلطان کی ہیوں ہن غون پر مطلاع دی، تھی۔“

”اس نے ایک بدنام ہورت کو چھیڑا لھا۔ یہ اگی گھنست کامیابا ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتی ذیہی۔ انہیں یہاں لااؤں گی۔ اگر شلاسکی تو پھر...“

”بس...“ رحمان صاحب باتھ اٹھا کر بولے۔ ”میں کہہ چکا ہوں جو دل جاہے کردار سے
مہمان خلائے میں مہمان بھی موجود ہیں... ان کا دخیل رکھنا... یہاں کوئی بے ہودگی
نہیں۔“

”اُرے انہیں ہوش ہی کہاں ہے؟“

”پہلے کب رہا ہے؟“ رحمان صاحب کی آواز بلند ہو گئی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن پھر خاموش ہی رہے۔

شیا بھی سر جھکائے ہوئے اٹھی اور باہر نکل گئی.... اس نے رحمان صاحب کے چہرے پر کرب کے آثار نہیں دیکھے تھے.... ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شیا کے باہر جاتے ہی ان کی آنکھیں مغموم نظر آنے لگیں.... اور انہوں نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”بیلو۔ ڈی۔ ایس۔ پی ٹی۔.... اٹ از رحمان! آپ نے مجھے کچھ دیر پہلے عمران کے متعلق اطلاع دی تھی۔“

”جی ہاں جتاب! وہ ہوش میں تو ہیں لیکن ہوش کی باتیں نہیں کر رہے.....! ادا کثر کا خیال ہے کہ چوت کا اثر بینائی پر نہیں پڑا.... وہ کیفیت و قی تھی.... البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ ان کی ذہنی حالت کیا ہو گی اور وہ عورت تو بکواس کرتی ہے جتاب! عرصہ سے پولیس کی لست پر ہے۔“

”اسے عدالت پر چھوڑیے....“ رحمان صاحب نے براسامنہ ہٹا کر کہا۔ ”فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے ہپتال سے گمراہیا جائے۔“

”بہت بہتر جتاب۔“

”ٹکریہ۔“ رحمان صاحب نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

O

صدر نے فلت ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکا کر اور کوٹ کے کارکھے کئے اور گلی میں داخل ہو گیا.... پیروں میں کرپ سول جوتے تھے اس لیے وہ بنے آواز چل رہا تھا.... گلی سنان پڑی تھی! ملکبے سے اندر ہیرے میں وہ صرف ایک دھنڈلی ہی پر چھائیں معلوم ہوا تھا۔

یک بیک ایک جگہ وہ رکا.... چند لمحے بے حس و حرکت کھڑا رہا شاید بالیں جانب والے دروازے کی طرف متوجہ تھا.... پھر آگے بڑھا اور اسی دروازے پر ہو لے ہو لے دستک دی۔

”کون ہے؟“ اندر سے کراہتی ہوئی سی آواز آئی.... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی اوکھی

ہوئے مریض کے لیے وہ دستک تکلیف دہ ثابت ہوئی ہو!

”قارون۔“ صدر نے جواب دیا۔... دروازہ کھلنے والا اوٹ ہی میں تھا۔ اندر کیر و سین یمپ کی دھنڈی سی روشنی نظر آئی۔ غالباً یہ مختصر سی راہداری تھی کیونکہ سامنے ہی ایک بند دروازہ اور بھی نظر آ رہا تھا۔... صدر کسی پچکجہت کے بغیر اندر داخل ہو گیا! دروازہ کھلنے والا اب بھی سامنے نہ آیا۔ صدر نے سامنے والے دروازے کا رخ کر کے کہا۔ ”مادام پنگٹشی....!“

”ترشیف لجایے جتاب۔“ دروازے کی اوٹ سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

صدر نے آگے بڑھ کر بند دروازے کو دھکا دیا۔

کرہ خالی تھا! مگر وہاں نظر آنے والی متعدد میزوں کی سٹنگ سے یہی ظاہر ہوتا تھا جیسے وہاں کئی ٹولیاں پیٹھ کر کسی قسم کا شغل کرتی ہوں۔

ہر میز پر ایک گھنٹی بھی موجود تھی۔ لیکن میزوں کے گرد معمولی کر سیوں کی بجائے آرام کر سیاں تھیں! صدر نے آرام کری پر ڈھیر ہوتے ہوئے اپنی فلت ہیٹ اتاری اور فرش پر ڈال دی۔ اور کوٹ کے کارگر ادیے۔ وہ میک اپ میں تھا۔... سہنے چہرے والا ایک بے ہنگم آدمی آنکھیں خصوصیت سے نشہ بازوں کی سی تھیں۔

اس نے میز پر کمی ہوئی گھنٹی بجائی جس کی آواز کمرے میں دیر تک جھکا دیا کرتی رہی۔ پھر وہ غصیلے انداز میں گھنٹی پر ہاتھ مارتا ہی چلا گیا۔

آخر ایک پست قدم بڑھی عورت پچھاڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی....!
نسل چینی معلوم ہوتی تھی۔ فربہ اندام تھی عمر بچاں کے قریب رہی ہو گی لیکن چہرے پر چکناہت تھی۔ اس نے چھاڑ کھانے والا لبج اخیار کرتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ ”تم لوگ آخر اتنے بے صبر کیوں ہو جاتے ہو....!“

صدر سیدھا ہوا۔... احتراماً جھکا۔ پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ اے کھن کے پھاڑ۔... تھوڑ تو صرف سر لیے نئے ہی گو نجتے چاہئیں... پھر وہ کے لوحکنے کی آواز بھلی نہیں معلوم ہوتی....!
”مت چھیڑا کرو تم لوگ۔“ وہ غصیلے انداز میں نہیں اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔

صدر نے اور کوٹ بھی اتار کر فرش ہی پر ڈال دیا اور آرام کری کی پشت سے لکھتے ہوئے

یک طویل امکانی لی۔

کچھ دیر بعد بڑھیا ہاتھوں میں چینی کی دو پیش سنجائے ہوئے کرے میں آئی اور انہیں صدر میز پر رکھتی ہوئی بولی۔ ”تم ابھی حال ہی میں آنے لگے ہو! مجھ سے تمیز سے پیش آیا کرو.... سمجھے.... ورنہ کسی دن کمائتے کھانتے مر جاؤ گے.... پھر ہر دن جہنم معلوم ہونے لگیں گے.... میرا نام چنگ شی ہے.... سمجھ گئے تا....؟“

”تمہیں دیکھ کرنے جانے کیوں دل میں گدگیاں سی ہوتی ہیں۔“ صدر نے شہنشہی سانس لے کر سنجیدگی سے کہا۔

”بواس مت کرو۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو۔“ وہ پھوہڑپن سے ہنسی۔ ”پہلے کبھی نہ دیکھی ہو تو میں چاندی کے طشت میں گدگی کا پیشاب لاوں۔“

”ماوام چنگ شی!“ صدر بھرا آئی ہوئی آواز میں بولات اس کی آنکھوں میں غم جھانکنے لگا تھا۔

”میں آئندہ تمہارا احترام کروں گا! لیکن خدارا اب میری بد صورتی کا معنگ مر ادا...!“

”ہاہا.... بوڑھی نے تفہم لگایا۔“ برمان گئے تا آخر.... اسی لیے تو کہتی ہوں کہ دوسروں کی کبھی نہ اڑاؤ کیونکہ خود تم میں ہزاروں عیوب موجود ہیں۔“

صدر نے سر جھکایا.... اور وہ بیٹھ گئی پن سے ہنسی ہوئی پھر کرے سے چل گئی۔

اب وہ ان دونوں پلیٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک پلیٹ میں سیاہ رنگ کی چھوٹی چھوٹی متعدد کوکیاں رکھی ہوئی تھیں.... اور دوسری پلیٹ میں شمشے کا اپرٹ لیپ تھا! دیا سلا بیوں کی ایک ذبیہ بھی رکھی ہوئی تھی اور بانس کی دو تین پتلی تیلیاں بھی۔

صدر نے کوٹ کی جیب سے ایک پاپ نکال کر میز پر ڈال دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر ایک کوکی اٹھا کر پاپ کے سوراخ پر رکھی.... وہ اب بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

پاپ پھر میز پر رکھ کر اپرٹ لیپ روشن کیا اور بانس کی تیلی کا ایک سر اس کی لو سے لگائے بیٹھا رہا.... تیلی جل اٹھی! پھر وہ اس وقت تک منتظر رہا جب تک کہ تیلی کا سر اچنگاری نہیں بن گیا۔

پاپ ہوتھوں میں دبا کر اس نے تیلی کا جلتا ہوا سر اگولی پر رکھا.... اور اس زور کا کش لگایا کہ کوئی چشم زدن میں چنگاری بھی نہیں اور راکھ بھی ہو گئی۔ اب کثیف دھوئیں کا بادل صدر کے دہانے

سے آزاد ہو کر کرے کی فضائیں تحلیل ہو رہا تھا۔

اس نے دوسری گولی اٹھائی..... لیکن وہ گولی اس کی جیب میں گئی تھی.....!

اسی طرح اس نے زیادہ تر گولیاں جیب ہی میں پہنچائی تھیں۔ شاید تمن یا چار استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن اس پر بھی یہ حال تھا جیسے سر کے مل کھڑا ہو گیا ہو۔ کرہ تیزی سے ناچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پاپ میز پر چینک کر اس نے تیلی کا جلا ہوا سراپلیٹ میں رگڑ دیا اور اس پر ثلیپ بجا کر کر سی کی پشت سے لٹک گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد چنگ شی پھر اندر آئی اور اسے مخاطب کیے بغیر پلٹیں سنjalانے لگی۔ لیکن وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

”اور چاہئے۔“ اس نے بالآخر پوچھا۔

”نبیں شکریہ۔“ صدر نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔ ”صحیح سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”میری طرف سے تمہارا دل صاف ہو گیا ہے نا؟“ وہ پلٹیں ایک طرف سر کا کر سامنے والی کری پر پیٹھتی ہوئی بولی۔

”میں دل کا بر انہیں ہوں مدام چنگ شی!“ صدر نے اب بھی آنکھیں کھولے بغیر ہی جواب دیا۔

”مجھے اپنے متعلق بتاؤ۔ میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ تم ہنستے ہنستے اداں ہو جاتے ہو۔“

”میری بُنی“ صدر نے ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں کھول دیں اور سیدھا بیٹھتا ہوا معموم سمجھے میں بولا۔ ”میری بُنی بھی کراہ ہے..... مدام.....“

”آخر کیوں؟“

”کچھ نہیں! میں ایک بد نصیب تھا آدمی ہوں..... اداسی میرا اوڑھنا پکھونا ہے جب اداس نہیں ہو تو اس بھی اداس ہی رہنے کو دل چاہتا ہے.....!“

”کوئی گہر احمد مدد؟“

”میرا وجود بجائے خود ایک گہر احمد مدد ہے..... چنگ شی! جس رات میں پیدا ہوا تھا میرا سارا اکتبہ گیس کا شکار ہو گیا تھا..... پتہ نہیں میں کیسے نقیب گیا۔“

”اوہ۔ اوہ“ چنگ شی میز پر کھدیاں لیکر کر آگے جھک آئی۔

”ماچو لمحے کی گیس کھلی چھوڑ گئی تھی..... آہستہ آہستہ کروں میں کیس بھرتی رہی اور وہ سب بے خبر پڑے سوتے رہے دوسری صبح پڑو سیوں نے آٹھ لاٹشوں کے درمیان ایک نوزاںیدہ بیچے کو بلکہ دیکھا تھا۔“

صدر خاموش ہو گیا پھر زہریلی ہنگی کے ساتھ بولا۔ ”وہ بچہ ان لاٹشوں پر نہیں روایا تھا۔ اسے بھوک گئی تھی..... یہ میری شروع سے لے کر آج تک کی کہانی ہے۔ میرے گرد آج بھی لاٹشوں کے انبار ہیں اور میں روئے جا رہا ہوں ... بھوک سے بلکہ رہا ہوں۔ یونہی بلکثا رہوں گا۔“

”تم کہانیاں تو نہیں لکھتے؟“ چنگ شی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”میں خود ہی ایک کہانی ہوں ہے وقت لکھ رہا ہے ایک دن یہ کہانی بھی ختم ہو جائے لیکن بھوک“

”میں سمجھتی ہوں سمجھتی ہوں۔“ اس نے بڑے پیارے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تم بہت بھروسہ عورت ہو چنگ شی!“ صدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”لیکن تم میرا دکھ نہیں پہاڑ سکو گی۔“

”کوئی کسی کا دکھ درد نہیں پہاڑ کیا جھے آدمی!“

”اس لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو... تم پہلی عورت ہو جس نے آج میری کہانی پوچھی تھی۔“

”تم کہاں رہتے ہو؟“

”جہاں کھانے کو مل جائے۔“ صدر آرام کری کی پشت گاہ سے نکلا ہوا بولا۔

وہ پھر اسے گھوڑ نے لگی۔

”تم نے ساری گولیاں لکائی تھیں؟“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

”ہاں کیوں؟“

”لیکن تم نئے میں تو نہیں معلوم ہوتے۔“

”میری طبیعت خراب ہے چنگ شی! ورنہ تمہیں کم از کم آٹھ بار اتنی ہی گولیاں اور لانی پڑتیں تب کہیں جا کر نشہ ہوتا۔“

”تم شاید اس وقت بھی بھوکے ہو۔“ چنگ شی خواخواہ بنس پڑی۔

”اور اس وقت بھی رورہا ہوں۔“ صدر نے پھیکی سی مسکراہٹ کیسا تھے کہا۔۔۔!

”تمہرو! میں تمہارے لیے کچھ لے آؤں۔۔۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی اور پھر اسی دروازے میں
غائب ہو گئی جس سے اب تک آتی جاتی رہی تھی۔

O

کیپٹن خاور نے فون پر دانش منزل کے نمبر رنگ کئے۔ ان دنوں ایکس ٹو سے صرف دیں
گفتگو کی جاسکتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بلیک زیر وزیادہ ترمیم ہیں رہتا تھا اور عموماً ہی خود کو ایکس ٹو پوز کر
کے سکرٹ سروس کے ممبروں کی کالیں رسیسو کرتا تھا اور اس کے بعد ان کے پیغامات عمران تک
پہنچا دیتا تھا۔

”لیں۔۔۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اٹ از خاور سر۔ روپورٹ۔۔۔!“

”کہتے چلو۔۔۔“

”عمران اپنے گھر پہنچ گیا ہے۔ لیکن اس کی ذہنی حالت بہتر نہیں۔ پہلے شبہ ہوا تھا کہ انہوں
بھی ہو گیا ہے۔۔۔!“

”بری خبر ہے۔ ایک کام کا آدمی ہاتھ سے جاتا رہا۔ خیر۔ دوسری روپورٹ!“

”صدر پر شاردا بلڈنگ ہی سے فائر ہوا تھا۔ آس پاس کے لوگوں نے فائر کی آواز سنی
تھی۔۔۔ لیکن کسی کو فائر کرتے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ وہاں کوئی ایسا آدمی بھی نہیں مل سکا جو پہلے
کبھی کہڑے کے ساتھ دیکھا گیا ہو۔“

”صدر کہاں ہے۔۔۔؟۔۔۔!“

”مجھے علم نہیں۔“

”اچھا یکھو۔۔۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ ”اب تم لوگ صدر سے دور ہی رہو گے!“
میرا خیال ہے کہ کہڑے کو اس غرافی کا علم ہو گیا ہے۔۔۔ اور صرف صدر ہی اس کی نظر میں آیا
ہے۔۔۔ لہذا تم سب محاط رہو۔“

”بہت بہتر جتاب!“ خاور نے سر ہلا کر کہا۔ ”میں سب کو مطلع کر دوں گا۔۔۔!“

”اور کچھ۔۔۔!“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”نہیں جتاب....!“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا....!

O

جوزف کسی پال تو کتے ہی کی طرح رحمان صاحب کی کوئی پر بھی آپنچا تھا۔ رحمان صاحب نے اسے دیکھا اور نفرت سے ہونٹ سکوڑ لیے پھر انہوں نے اپنے سیکریٹری کو ہدایت کر دی کہ وہ اسے دہاں سے ٹال دے۔ کہہ دے کہ عمران کے اقتضی قلیٹ ہی میں اس کی سختی میں کافی خطر رہے۔ ”نہیں مسٹر.... یہ ناممکن ہے۔“ جوزف نے سیکریٹری سے کہا۔ ”ادھر کی دنیا اور ہر ہو جائے لیکن میں باس کو یہاں تھا۔ نہیں چھوڑ سکتا۔“

”تمہیں جانا پڑے گا۔“ سیکریٹری کا الجہ غصیلا تھا۔

”باس کے فاور سے کہنا کہ مجھے گولی مار دیں۔ میں تو نہیں جاؤں گا۔“

”میاں کو اس کر رہے ہو۔ مسٹر عمران تو تمہیں پیچان بھی نہیں سکے تھے۔“

”پروادہ نہیں! اتنا ہی کافی ہے کہ میں انہیں اچھی طرح پیچانتا ہوں۔“

”آچھا تو پھر اب تم بھی جیل ہی جاؤ گے۔“ سیکریٹری نے غصیلے لمحے میں کہا اور دوسری طرف چلا گیا۔

پھر جوزف نے عمران کے کرے سکتے ہیں کی کو شش کی تھی لیکن ہاکام رہا تھا۔

سیکریٹری کا یہ بیان قطعی درست تھا کہ عمران جوزف کو پیچان نہیں سکتا۔ پیچاننا تو الگ رہا وہ اس کے قرب ہی سے دھشت زده نظر آنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی تجھندی تھی اور ”بھوت بھوت“ چلانے لگا تھا۔

لیکن جوزف نے دانت نکال دیئے تھے اور ہس کر بولا تھا۔ ”ارے باس ارے باس۔ چلو بھوت ہی سکی.... خدا کا شکر ہے کہ تمہیں ہوش تو آیا۔“

عمران نے کسی کو بھی نہ پیچا لا۔ شیا کو اس طرح دیکھتا ہا جیسے پہلی بار نظر آئی ہو! پھر اپنی کوئی کی کپاڈ نہیں داخل ہوتے وقت کچھ بڑبوانا شروع کر دیا تھا۔ الفاظ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔

ماں کی حالت اور زیادہ ایکر نظر آنے لگی جب انہوں نے سنا کہ اب تجھے عمران کا دماغ چل گیا ہے۔ پھر انہوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ عمران نے ان سے بھی شناسائی نہ ظاہر کی۔

رحمان صاحب تو قریب ہی نہیں آئے تھے۔ دوسروں سے اس کی کیفیت معلوم کر لی تھی۔ پھر شہر کے بڑے ڈاکٹر طلب کر لیے گئے..... اور انہوں نے مقنقر طور پر رحمان صاحب کو اطمینان دلایا کہ ہمیشہ کے لیے دماغ ماؤف نہیں ہو سکتا۔ وقت کیفیت ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک برقرار رہے گی۔

رات گئے رحمان صاحب کو معلوم ہوا کہ جوزف پھائک پر دھرنا دیے بیٹھا ہے۔ بالآخر انہیں اس پر رحم آئی گیا کیونکہ وہ ایک انتہائی سر درات تھی۔

اسے اندر آنے اور شاگرد پیشے میں کہیں پڑ رہنے کی اجازت مل گئی۔ لیکن دوسرے ملازمین اس کی وجہ سے رات بھرنہ سو سکے.... کیونکہ ہر دس منٹ کے بعد کبھی تو وہ آسمانی باپ کو پکارنے لگتا اور کبھی افریقی دیوتاؤں کو آوازیں دینے لگتا۔ شراب بھی نہ ملی تھی اور عمران کے لیے تو خیر پہلے ہی سے پریشان تھا۔ پھر ایسے میں اس کا ذہن قلابازیاں کیوں نہ کھاتا۔

دوسرا صبح عمران کسی تحریک زدہ بچے کے سے انداز میں لان پر نکل آیا۔... آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا پھر رہا تھا۔ شریا اور چھاڑ اور بینیں بھی ساتھ تھیں۔ شریا جو پہلے کبھی عمران سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی تھی اس طرح ساتھ لگی پھر رہی تھی جیسے وہ کسی اجنبی دلیں کا شہزادہ ہو اور کچھ دنوں کے لیے ان کا مہمان بننا قبول کر لیا ہو۔

”اف.... فوہ!“ یک بیک وہ چلتے چلتے رک گیا اور آنکھیں بند کر کے اس طرح اپنی پیشانی رکھنے لگا جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لڑکیاں بھی اسے گھیرے میں لیتی ہوئی رکیں۔

”یہ.... یہ....“ عمران ہکلایا۔ ”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے.... جیسے میں نے یہ عمارت اکثر خواب میں بھی دیکھی ہوا!“

”ہاں.... ہو سکتا ہے....“ شریا نے کہا۔ ”چلیے میں آپ کو اپنے نئے پرندے دکھاؤں۔“

”چلیے....“ عمران نے بے بھی سے پلکش جھکا کیں۔

جوزف نے دور سے انہیں دیکھا اور سر پت دوڑتا ہوا اتنی کی طرح ادھر ہی چلا آیا لڑکیوں کو اس نے بڑے ادب سے سلام کر کے دعا میں دیں.... اور عمران سے بولا۔ ”باس میں کتنا خوش ہوں کہ تم آخر اپنے گھر پہنچ ہی گئے۔“

”اپنے گر...!“ عمران تھیران انداز میں شیاکی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ”یہ کون ہے صورت سے نیکرو معلوم ہوتا ہے؟“

”میا آپ اسے بھی نہیں پچھاں سکتے؟“ نجمہ بول پڑی۔

”نہیں مختمد۔ میں کیا جاؤں... آپ لوگ مجھے پاگل کیے دے رہی نہیں۔“ وہ پھر آنکھیں

بند کر کے پیشانی ملنے لگا۔

”یاخوں“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے پاگل کتا بنا دے۔ مگر باس کو اچھا کر دے!“

”جاو۔ تم جاؤ۔... یہاں سے!“ شیانے جوزف سے کہا۔

”اچھا مسی!“ جوزف نے ٹھنڈی سانس لی۔... اور لڑکڑاتے ہوئے قدموں سے شاگرد پیشہ

کی طرف بڑھ گیا۔

O

ٹھیک اسی وقت صدر ایک پیک ٹیلیفون بو تھے سے بلیک زیر دکان پر پورٹ دے رہا تھا۔

”جی ہاں! میرا خیال ہے کہ کہرے نے مجھے بھیت صدر مشیر سمجھنا شروع کر دیا ہے!“

”بھیت صدر؟“ دوسری طرف سے استقہامیہ انداز میں کہا گیا۔

”جی ہاں! میری دوسری بھیت.... موبی کی ہے! چنگ شی کے اڑے پر.... مجھے یقین ہے

کہ میں ابھی تک اس میک اپ میں نہیں پچھانا جاسکا۔“

”اس غلط فہمی میں نہ چلتا۔“ دوسری طرف سے بلیک زیر دکان کی آواز آئی۔ ”تم ہر بھیت میں

پچھاں لیے گئے ہو! البتہ اس سے پوری طرح متفق ہوں کہ تمہارے دوسرے ساتھی ابھی تک اس

کی نظرؤں میں نہیں آئے.... جو لیا سے بے حقی غاہر کر کے تم نے ٹھنڈی کا ثبوت دیا تھا۔ کہا

جب بھی چاہے تمہیں ختم کر اسکتا ہے۔ اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟“

”کوئی نہیں روڑ کے چورا ہے والے بو تھے سے۔“

”میک اپ میں ہو؟“

”جی ہاں۔“

”ذرا باہر نکل کر دیکھو۔ پھر آدھے گھنٹے بعد مجھے دوبارہ رنگ کرنا۔“

صدر سلسلہ منقطع کر کے باہر آگیا۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر سامنے ہی ایک جانی

پچانی شکل نظر آئی اور اسے اپنے چیف آفیسر کے خیال سے متفق ہونا پڑا۔
کچھ دور چل کر وہ ایک کینے میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جانی پچانی صورت بھی وہیں
موجود تھی۔ صدر نے ایک طویل سانس لی.... تو یہ بات ہے کسی وقت بھی اسے نظر دوں
سے او جمل نہیں ہونے دیا جاتا.... مگر کہا؟....؟

O

”کہا؟.... ایک حیرت انگیز آدمی ہے!“ کیپشن خاور نے جولیا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
کہا۔ ”ایک ماہ پہلے کی بات ہے ایکس ٹونے بھجے اور صدر کو اس کی تلاش پر مامور کیا تھا۔ یہ تلاش
بڑی مشکلہ خیز ثابت ہوئی تھی۔“
”کیوں؟“

”ارے اتنے بڑے شہر میں کسی کہڑے کو تلاش کرنا تھا۔ کئی جگہ تو پٹ جانے تک کی نوبت آ
گئی تھی۔ ان دونوں صدر بھی عمران ہی کی طرح سک گیا تھا ایک دن اس نے ایک کہڑے کا تعاقب
کیا جو گرم چادر میں لپٹا ہوا تیزی سے راستہ طے کر رہا تھا۔ تقریباً تین میل صدر پیدل گھستا رہا۔
اور پھر اس کا بیان ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر وہ کوہڑا اس کی پشت سے الگ ہو گیا تھا۔“
”کیا مطلب۔“

”اس گدھے نے پہنچ پر ایک وزنی گھری اخمار کھی اور اسے چھپانے کے لیے اوپر سے
ایک خوش رنگ اونی چادر لپیٹ لی تھی۔ بہر حال اس دن وہ بری طرح جھلا گیا تھا۔ پھر ایک شام کا
واقعہ سنو! اتفاقاً وہی کہرا اسامنے آگیا جس کی تلاش تھی۔“
”ٹھہر و.... کیا اس سے پہلے کوئی کہڑا نہیں ملا تھا؟“

”درجنوں ملے تھے.... لیکن ہمیں کوہڑ کے ساتھ ہی بائیں گال پر ابھرے ہوئے ایک تل
کی بھی تلاش تھی۔ بہر حال اس شام ایک ایسا ہی کہڑا میل گیا جس کے بائیں گال پر بہت ہی نمایاں
قسم کا تھا.... یہ ریلوے اسٹیشن کا واقعہ ہے۔ صدر بغرض تفریح اور اتفاقاً ہی جانکلا تھا اور تھا
نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک ایکسائز انسپکٹر بھی تھا۔ صدر نے کہڑے کو دیکھا اور ایک بار پھر چکرا
گیا۔ ... کیونکہ اس ڈفرنے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے پھر
سوچھ ہی تو گئی اور اس نے ایکسائز انسپکٹر صاحب کو پانی چڑھا دیا۔ کہنے لگا کہ میں شرط لگانے کو تیار

ہوں کہ اس گھری میں چرس ہے۔ انپکٹر صاحب نے اور فرمیا کہ کیوں گھس رہے ہو.... کہڑا ہے بے چارہ.... صدر کہنے لگا ہی تو کمال ہے.... ابھی پچھلے ہی دنوں ریکشن کے تھانے والوں نے ایک ایسے ہی کہڑے کو کہڑا تھا۔ اس سمجھت نے کوٹ پمن رکھا تھا یہ کہنا محال تھا کہ وہ کوہڑ نہیں ہے لیکن یقین کرو کہ کوٹ کے نیچے سے کوہڑ نما گھری برآمد ہوئی تھی.... بہر حال انپکٹر صاحب اس کے فقروں میں آئی گئے.... پھر انہوں آگے بڑھ کر اس زور کا ہاتھ مارا تھا اس گھری پر کہ کہڑے کی آنکھوں میں تارے ہی ناق گئے ہوں گے۔ وہ بری طرح جلا کر پلانا تھا۔ انپکٹر صاحب نے کڑک کر فرمایا اس گھری میں گیا ہے اور کہڑا لئے مرنے پر آمادہ نظر آنے لگا۔ کمبل ایک طرف پھینکا اور خم ٹھوک کر کھڑا ہو گیا۔ تب یہ بات صدر کی سمجھ میں آئی کہ ہر کمبل کے نیچے گھری نہیں ہوا کرتی پھر صدر سے حاقت یہ سرزد ہوئی کہ خود بھی نیچے پھانڈ کرانے والوں میں شامل ہو گیا۔ غالباً وہیں سے کہڑا اس کا صورت آشنا ہوا تھا۔ پھر جب صدر نے اس کی گمراہی شروع کی اور بار بار اس کے آس پاس دیکھا گیا تو اسے بھی شبہ ہو گیا.... ایکس ٹو کا خیال ہے کہ میں اس کی نظر میں نہیں آسکا۔

”آخر یہ کس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ تم سے بے خبر ہے؟“ جولیا بولی۔

”میں آج تک نہیں محسوس کر سکا کہ میرا بھی تعاقب کیا جاتا ہو۔ جب کہ صدر کی گمراہی قدم قدم پر ہو رہی ہے۔ بہر حال اس وقت میں ایکس ٹو کا یہ حکم سنانے آیا تھا کہ یقینہ ممبر صدر سے دور ہی رہیں اور صدر خود بھی سکھی چاہتا ہے.... شاید وہ مرفنی روڑ پر تم سے اچھی طرح پیش نہیں آیا تھا۔“

”میں سمجھ گئی تھی کہ وہ کسی وجہ سے شناسائی نہیں ظاہر کرنا چاہتا....!“

”نمیک ہے۔“

”مگر سنو تو.... آخر یہ کہڑا ہے کون؟“

”ایکس ٹو کے علاوہ شاید ہی کسی کو علم ہو.... ہم نہیں جانتے کہ اس کی گمراہی کیوں کر رہے ہیں یا ایکس ٹو کو اس کی تلاش کیوں تھی؟“

”صدر کی گمراہی اب بھی ہو رہی ہے؟“

”ہر وقت.... ہر جگہ.... کوئی نہ کوئی سائی کی طرح ساتھ لگا رہتا ہے۔“

”اگر وہ حملہ اسی پر ہوا تھا..... تو....“ جو لیا جملہ پورا کیے بغیر کسی سوچ میں پڑ گئی۔

”ٹھہرو..... حملہ حقیقتاً اس لیے نہیں ہوا تھا کہ وہ مر جائے..... بات دراصل یہ ہے کہ انہوں نے اس پر نظر رکھی تھی۔ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اس کا تعلق کس سے ہے لیکن اتفاق سے انہیں مایوسی ہی ہوئی..... اور وہ اس حرکت پر اتر آئے۔ مقصد یہ ہے کہ اس حملے کی بنا پر وہ دوسرے لوگ بھی کھل کر سامنے آجائیں جو صدر کی پشت پر ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ایسی صورت میں اس کا زندہ رہنا حال ہو تا جب کہ ہر وقت مگر انی ہوتی ہے۔!“

خاور سگریٹ سکانے لگا اور جو لیا نے عمر ان کا تذکرہ چھپیر دیا۔

”میرا خیال ہے کہ ایکس نونے کھڑے کے سلسلے میں اس سے کوئی کام نہیں لیا۔“ خاور بولا۔

”مگر سوچو تو یہ کتنا مسحکلہ خیز حادثہ ہے۔ الفانے کا سر دھڑ سے الگ کرنے والا، مکار نس کو لکارنے والا، بونا کو پچھاڑنے والا.... اس طرح ایک سڑی کی عورت سے مار کھا گیا۔ خدا کی پنلو..... سوچتی ہوں تو روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آدمی کتنا بے وقت جانور ہے۔ اف فو..... تم نے اسے جزل و اڑ میں لاوار ٹوں کی طرح پڑنے ہوئے نہیں دیکھا۔“

”غالب اُر حمان صاحب اسے گرفتے گئے ہیں۔“

”ہاں۔ آں۔.... مگر میں یہ کہہ رہی تھی کہ اب اس کا کیا ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ اس کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔“

”کیا؟“

”وہ پاگل ہی تو ہو جانا چاہتا تھا.....!“

”نہیں۔ خاور..... اتنی بے دردی سے اس کا تذکرہ نہ کرو! وہ حقیقتاً برا مقصوم ہے۔“

”کیا؟“ خاور بیساختہ اچل پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھوڑنے لگا جیسے اس نے کسی بکری سے ہاتھی کی پیدائش کی خبر سنائی ہو!

”ہاں! اس مسئلے پر سمجھ گئی سے سوچو..... وہ کسی شریر بچے کی طرح مقصوم ہے۔“

”شرارت اور مخصوصیت کے امترانج کی داد نہیں دی جا سکتی محترمہ فائز و اڑ کمال کر دیا۔.... یہ

”شاعری کر رہی ہو تم.....!“

”سمجھنے کی کوشش کرو۔“ جو لیا مغموم لمحے میں بولی۔ ”مسٹر حمان سخت گیر آدمی ہیں ان کی

خخت گیری ہی کی وجہ سے اس کی شخصیت غیر متوازن ہوئی ہو گی۔ اس عیب کی بنیاد بھیں ہی سے پڑتی ہے پچھے دو ہری زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ پاہر کچھ ہوتا ہے اور گھر میں کچھ۔ یہ طرز حیات آہستہ آہستہ عادت بنتا جاتا ہے۔ پھر جب اس پر کوئی پابندی نہیں رہ جاتی تب بھی وہ اس عادت یا اس طرز حیات سے پچھا نہیں چھڑا سکتا۔

”ارے تم نے تو نفیات پر یکچھ شروع کر دیا۔“

”میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس کا منظکہ مت الاو....!“
”کہتی رہو!“ خاور سکرایل۔ ”مجھے تو سوچ کر ہی بھی آئی ہے۔ عمران صاحب کا دماغ الٹ گیا۔ وہ ہوشندی میں تو یہ حال تھا اب کیا صورت ہو گی۔ بھی کوئی تغیر کر دکھ اسے قریب سے دیکھا جاسکے۔“

”تم شاید جلدی میں تھے۔“ جولیا نے خنک لبجھ میں کہا اور انھوں نے

O

بات رحمان صاحب کی تھی اس لیے اس معاملے کی پیشی نہ ہو سکی۔ پھر انہوں نے کیس ہی فتح کر دیا۔ عمران کے باپ ہی تھے انہیں مزہ پھٹا کیا کے بیان پر سو فصدی یقین آگیا تھا۔ جو زف کی بکواس پر کیسے دھیان دیتے!

لیکن عمران کی ذہنی حالت کے متعلق ان کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ اب وہ دشائوف تھا کتوں کی طرح بھونکنے بھی لگتا تھا اور جو زف بڑے خلوص سے سینے پر کراس بنا کر دعا میں پڑھتا اور کہتا تھا۔ ”آسمانی پاپ تو براہم بیان ہے اگر کاشنے بھی دوڑیں تو کیا میں انہیں روک سکوں گا۔“ رحمان صاحب چاہتے تھے کہ عمران کو عمارت کے اندر ہی رکھا جائے لان پر دکھائی دے جاتا تو وہ بری طرح زوس نظر آنے لگتے غصہ بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ ہر وقت فکر مند نظر آتے۔ اکثر عادت کے مطابق کسی پر چڑھ بھی دوڑتے تو اس طرح چوک کر سنبھالا لیتے جیسے کوئی بھولی بسری بات اچانک یاد آگئی ہو!

اوھر عمران کا یہ حال کہ گھر بھر کو نچائے پھرتا۔ کہتا کہ بہت ہو چکا اب وہ اپنال سے گھر واپس جائے گا۔ شیا اور بچازاد بہنوں کے پیچے پڑ جاتا کہ وہ یونیفارم میں کیوں نہیں رہتیں اگر کوئی آفسر انکشاف کے لیے آگیا تو کیا ہو گا۔ رحمان صاحب پر نظر پڑ جاتی تو چیختے لگتا۔ ”اے اوڈا اکٹر

صاحب! یاد بھائی صاحب اب گھر جانے دو.... یا پھر مجھے کسی دوسرے کمرے میں رکھو۔ اس کمرے کی چھت مضبوط معلوم ہوتی..... گرنے میں دیر گئی۔“

صحیح سے اب تک وہ دو کمرے بدل چکا تھا اور اب تیرتے کی تیاری تھی۔ اس وقت جس کمرے میں تھا اُس کی دیوار ٹیزی میں ہو گئی تھی اور فرش جھولا جھولتا محسوس ہوتا تھا۔

شیا بے چاری و نی کرتی جو وہ کہتا۔ ماں پر تو تھوڑی تھوڑی دیر بعد اختلاج قلب کے دورے پڑ رہے تھے اس لیے شیا زیادہ تر ہمیں کوشش کرتی کہ کوئی بات ان تک نہ پہنچنے پائے۔

تیرتے کمرے میں سامان پہنچنے جانے پر عمران نے اس انداز میں اطمینان ظاہر کیا تھا جیسے اب کسی چوتھے کمرے کا رخ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

سب کچھ تھا لیکن شیا اسے عمارت کے اندر ہی روکے رکھنے میں کامیاب نہیں ہوا تھی جب بھی عمران کا دل چاہتا لان پر نکل آتا.... ویسے چوکیدار کی ڈیوٹی تھی کہ ہر وقت چھانک پر نظر رکھے.... عمران کو لان پر دیکھتے ہی وہ اعتماد اور چھانک بند کر کے مقفل کر دیتا۔ لیکن عمران نے ابھی تک تو کپکا وٹ سے باہر قدم نکلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ لان پر نکلتا تو جوزف کسی وقار اکتے کی طرح دم ہلاتا دوڑتا آتا.... اس موقع پر کہ شاید باس اب اسے پہچان ہی لیں.... لیکن اسے مایوسی ہی ہوتی۔ اس وقت بھی عمران اپنا بستر تیرتے کمرے میں منتقل کرنے کے بعد باہر ہی آیا۔ جوزف کچھ کے دروازے پر بیٹھا کچھ زہر مار کر رہا تھا۔ عمران پر نظر پڑتے ہی ہاتھ کا نوالہ پلیٹ میں پھینکا اور منہ کا نوالا کچلتا ہوا اس کی طرف لپکا۔
”مگر مار نکل باس....“

”ہمیں....“ عمران خوفزدہ انداز میں اچھل کر پچھے ہٹا.... اور نہ جانے کیوں پہلی بار جوزف کو اس پر غصہ آگیا۔

اس نے انکلی انٹھا کر کہا۔ ”دیکھو باس! میں بہت پریشان ہوں! اب ٹھیک ہو جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہو گا.... صحیح!“

”سر! سر!“ عمران حلق پھاڑ کر چینا اور شیا جو عمارت کے کسی قریبی ہی حصے میں تھی اس کی آواز سن کر دوڑ آئی....!

”چھاؤ.... خدا کے لیے.... مجھے اس جبشی ڈاکٹر سے بچاؤ....“ عمران بھاگ کر اس کے

پیچے چپتا ہوا آگھسیلا۔

”کیا بات ہے؟“ تریا نے جوزف کو گھورتے ہوئے قبر آلو دلچسپ میں پوچھا۔

”مگر کچھ نہیں... میں... میں نے تو صبح کا سلام کیا تھا۔“ جوزف ہکلایا۔

”دیکھو! اگر تم خواہ مخواہ پر بیشان کرو گے تو باہر نکلوادوں گی۔“

”لیں میں!“ جوزف اٹینشن ہو گیا تھا۔

پھر پچاڑ اد بینش بھی آگئیں... اور عمران نے انہیں بھی دیکھ کر چیخ ماری اور آٹھ ہاؤز کی طرف بھاگ نکلا۔

”اف... فوہ... یہ کیا ہوں؟“ تریا بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ ”غضب ہو جائے گا۔ اگر یہ دہاں پلے گئے۔ ذیلی کچھ کام کر رہے ہیں۔“

پھر اس نے جوزف سے کہا۔ ”دوڑو۔ روکو۔۔۔ اندر نہ جانے دیتا۔“

”اوے میں!“ جوزف نے ہر نوں کی طرح چوکڑی بھری اور عمران کو آؤ ہے ہی راستے میں جالیا۔

”اوے ہٹ سخت!“ عمران سُٹھک کر نوافی آواز میں بولا۔ لیکن جوزف اس کے آگے ہاتھ پھیلا کر راستہ روکے کھڑا رہا۔

استمن میں لڑکیاں بھی بچنچ گئیں... آٹھ ہاؤز قریب ہی تھا۔

”ہٹو۔۔۔ سامنے سے ہٹ جاؤ!“ دفتار عمران آنکھیں نکال کر غرایا۔

”بھائی جان خدا کے لیے چلیے ہہاں سے۔“ تریا آنکھیں بھائی۔

”اے ہٹاؤ۔۔۔ سامنے سے میرا راستہ کیوں روکتا ہے۔“

”مان جاؤ۔۔۔ باس!“ جوزف نے کہا۔ ”ورنہ میں تمہیں گود میں اٹھا کر لے چلوں گا۔“

”حد ہو گئی۔ پچ سمجھتا ہے۔۔۔ مجھے۔۔۔ گود میں اٹھائے گا۔ تو ہیں کرتا ہے۔۔۔“ عمران نے کہا اور جھپٹ کر ایک مکا جوزف کے جڑے پر رسید ہی تو کر دیا۔۔۔ جوزف جسے اس کا وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ قلابازی کھا گیا۔

پھر تو چیخ اس نے سہی کوشش شروع کر دی کہ عمران کو گود میں اٹھا کر رہا تھا عمارت کی طرف لے بھاگے۔ اسے گدھوں کی طرح پشتے دیکھ کر لڑکیاں بد حواس ہو گئیں۔ چیختنے لگیں۔

آؤٹ ہاؤز کی کھڑکیاں کھلیں اور رحمان صاحب کی دہائی ہوئی آواز آئی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”کشت و خون ہو رہا ہے۔“ عمران نے جوزف پر ملکے بر ساتھ ہوئے جواب دیا۔ ”یہ تمہارا اپنال ہے.... میاگل خانہ....“

رحمان صاحب باہر نکل آئے.... ان کیسا تھد دو آدمی اور بھی تھے۔ اب جوزف نے یہی مناسب سمجھا کہ عمران کو گود میں اٹھایا لینے کی جدو جهد ختم کر کے بھاگ نکلے۔ یہی ہوا۔ اور عمران مکاہی ہلا تارہ گیا۔

”جاو۔... اندر جاؤ!“ رحمان صاحب نے رہائشی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تھامانہ لجھ میں کہا۔

”یہ اپنال ہے یا سلاٹر ہاؤس؟“ عمران بھی اسی انداز میں ہاتھ ہلا کر چینا۔ ”یہاں کی بے قاعدگیوں کی روپورث نہ کی تو کچھ نہ کیا۔“

اس دوران میں کچھ ملاز میں بھی وہاں پہنچ گئے.... اور رحمان صاحب نے ان سے کہا۔ ”لے جاؤ اسے زبردستی اٹھا کر لے جاؤ.... چلو!“ پھر قہر آلوں لجھ میں شیا سے بولے۔ ”مکرہ مقفل کر دیتا۔“

ملاز میں آ لپٹے.... اور عمران ہاتھ پیر مار تارہ گیا۔ دو چار ہاتھ ان کے بھی جھاڑے تھے۔ لیکن پھر وہ بیڑوں ہی کی طرح چھٹ گئے۔ لڑکیاں سہی کھڑی رہیں۔

کچھ دیر بعد شیا عمران کے کمرے کا دروازہ بند کر رہی تھی اور ساتھ ہی اس کی سکیاں بھی جاری تھیں....! پچازاد بہنیں دم بخود کھڑی سوچ میں گم تھیں۔

پھر ایک بولی۔ ”کیا کیا جائے۔ ساری باتیں ٹھکانے کی کرتے ہیں.... مگر!“

”مگر کو اپنال کیوں سمجھتے ہیں؟ کسی کو پہچانتے کیوں نہیں؟“ شیانے گلوکیر آواز میں کہا۔

”ڈاکٹر سعید تو یقین کے ساتھ کہہ رہے ہیں وہ یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔“ دوسری بولی۔

”اچھا دیکھو.... لمال بی کوئہ معلوم ہونے پائے کہ.... بھائی جان کو کمرے میں بند کر دیا گیا ہے۔“ شیانے کہا۔

وہ کچھ نہ بولیں.... نجمہ نے تو پچھلے دن اپنی دوسری بہنوں سے کہا تھا۔ ”بھائی جان پہلے

پاکل تھے اب تو خدا کے فضل سے نجیک ہو گئے ہیں... میرا خیال ہے کہ اگر کسی عورت کا ایسا ہی
بھرپور ایک باتھ اور پڑ جائے تو سب کو پہچاننے بھی لگیں گے۔“
بات تھی بھی پکھے اسکی ہی۔ عمران کے چہرے پر اب شہ تو مخالفت کی بدرش ہوتی تھی اور نہ
امتحان جو کافی ہی سرزد ہوتی تھی۔ وہ بھائی سیم اعلیٰ نظر آتا تھا۔ آنکھوں میں تھر تھم کی دہانت کی
جلکیاں بھی ملتی تھیں بیس دشواری اتنی تھی کہ وہ کھر کو اپتال سمجھتا تھا اور کھروالوں کو اجنبی
تھی کہ جوزف کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔

O

چنگ شی کی نہیات کی تجدید غیر قانونی نہیں تھی۔ صدر پہلے جہل سیکھا تھا کہ وہ اس
اڑے کو غیر قانونی طور پر چلا رہی ہے۔ لیکن پھر آہستہ ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آسکی تھی
کہ چنگ شی دراصل وہاں غیر تعلیم یافتہ اور نچھلے ملکے کے لوگوں کی بھیز نہیں دیکھنا چاہتی... اس
لیے اس نے وہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اس کے اپنے ہندب قسم کے نشر باروں کی تلاش میں رہتے
تھے اور انہیں کے ذریعہ ایسے گاہوں کو وہ القاط معلوم ہوتے تھے جن کے دہرانے پر ہی وہاں داخلہ
مکن ہوتا ہے۔

ویسے صدر کی رسائی تو اس طرح ہوئی تھی کہ وہ کبڑے کے ایک آدمی کا تعاقب کرتا ہوا
اسنگلی سُکت آیا تھا اور اسے کوئی ایسا لفظ دہرا کر چنگ شی کے اڑے میں دوافٹن ہوتے دیکھا تھا ہے
پاس درڑ کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھا جاسکا...!

پھر اس نے بھی وہی لفظ دہرا کر پہنچنے والی کی کوشش کی تھی اور کامیاب بھی ہو گیا تھا پہلے
تو وہ یہاں کامیابی کر لیجئے گا کہ اس کی عافیت کسی لمحہ بھی خطرے
میں پڑ سکتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا... جہاں نظر آئے والے سارے ہی لوگ ایک دوسرے
سے قسمی بے تعلق معلوم ہوئے تھے اور کبڑے کا گھا تھی بھی دا خل ہوتے ہی گرد و پیش سے بے
خبر ہو گیا تھا۔ پھر صدر کو بھی طوعاً کر رکھیں گی انہوں کی کچھ گولیاں بہداشت گرفنی پڑی تھیں!

مگر کیوں؟ آخر وہ ان دونوں کیا کرتا پھر رہا تھا؟

پہلے ایکس نو کو اس کبڑے کی علاش تھی... دہل گیا... تو مگر انی شروع ہو گئی... لیکن
مقدار کیا تھا اس گرفتاری کا؟... مقدار کیا تھا اس گرفتاری کا؟...

آج تو اس کھڑے ہی کو چنگ شی کے لئے میں دیکھ رہا تھا۔
جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا سب سے پہلے اس کی نظر کھڑے پر پڑی جو ایک میز کے قریب بیٹھا چنگ شی سے آہتہ آہتہ کچھ کہہ رہا تھا۔

چنگ شی نے سر اٹھا کر صدر کی طرف دیکھا اور ہر سے والاؤر انداز میں مکرا کر گروں ہلا کی۔
اس وقت ایک بھی میز خالی نہیں تھی۔ صدر دروازے کے قریب ہی رک گیا۔

”آپ اُدھر پلے جائیے... مستر“ چنگ شی نے ایک دروازے کی طرف اشده کیا۔ صدر نے اُدھر جاتے ہوئے کبڑے کلکھیوں سے دیکھا تھا لیکن وہ اس کی طرف متوج نہیں معلوم ہوتا تھا۔
صدر نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا۔ یہاں صرف ایک ہی میز تھی، لیکن نجی استعمال کی معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف ایک منظری مسہری بھی دکھائی دی جس پر پر ٹکلف بستر تھا۔ کرسی بھی ایک ہی نظر آئی۔ ایک ٹیف تھام جس پر مختلف النوع چیزوں رکھی ہوئی تھیں۔
صدر میز کے ایک گوشے پر نکل گیا۔ رخ دروازے تھا لہذا اس کی طرف تھا۔ مصلحتاً
کمرے میں بیکا ایک دروازہ تھا لہذا اس کی طرف سے بے خبر نہیں رہنا چاہتا تھا۔

O

رات کے فوجھے تھے کیپٹن فیاض عمران کی خیریت دریافت کرنے کے بھانے کو ٹھی پہنچا۔
ورنہ آمد کا مقصد ہیٹھا پکھے اور تھا۔ رحمان صاحب نے آج اسے لا بہر یہی میں بلوالیا۔
”بیٹھو“ انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ... وہ تھا تھے۔

چند لمحے فیاض کو غورنے دیکھتے رہے پھر بولے۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔“

”خدا رحم کرے“ فیاض نے مسکی صورت بنا کر محدثی سائیں لی۔

رحمان صاحب پھر اسے گھوننے لگے وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”تم شاید جو تھی بارا سے دیکھتے آئے ہو۔“ رحمان صاحب نے کہا اور فیاض چوک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ اس کی آنکھیوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔ ”جو کچھ بھی ذہن میں ہے اُنکل دوپ میں بہت پریشان ہوں۔“

”وَكَيْفَ...“ فیاض بھرائی ہوئی آواز میں بولتا۔ ”یہ حضرت اب پہلے سے زیادہ ہوش مدد معلوم ہونے لگے ہیں۔“

”گشادہ داشت کے مزین ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ رحمان صاحب نے خلک لجھے میں کہا۔
”دو... دیکھے... قق... قصہ یہ ہے...“

”بے گفری ہے بتاؤ۔ جو کچھ بھی ہو۔“ رحمان صاحب نے اس کی ہکایت کا سلسلہ ختم کرنے کی کوشش کی۔

”آپ کیا ہو گا۔ تکن ہے پہلے... پہنچاپ ہاتھ کلب کی ایک لڑکی قتل کردی گئی تھی۔“
”ہاں تو پھر...!“

”اُن دنوں یہ حضرت اس کے ساتھ دیکھے گئے تھے۔“
”ہوں! تمہیں کب علم ہوا ہے اس کا۔“

”اُن دن جب مزپھٹا کیا والا حداد شیخ آپ قدس۔“

”کس طرح؟“ رحمان صاحب اسے بخوردیکھ رہے تھے۔

”مزپھٹا کیا عرصہ سے پہلیں اس سے پہنچا۔ خراب لڑکوں سے اس کی روزی چلتی ہے۔ یہ لڑکی مارتا جب اس کی خاص گاہوں میں ہے تھی۔“

”اوہ... تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ...“ رحمان صاحب کچھ کہتے کہتے دک گئے ان کی خلر بدستور اس کے چہرے پر بھی ہوئی تھی۔

”میری سمجھ میں خود نہیں آتا کہ میں کہا کروں جنلب ایہ بات میں نہیں بھی سمجھ اپنی ہی ذات تک محدود رکھی ہے۔“

”کیا ہاتھ ہوئی۔ جب تم یہ کہتے ہو کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ بہ عزیزیادہ دیکھا گیا تھا اور اس کا سمجھی مطلب ہوا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہو گا...“

فیاض نے طویل سانس لی۔ رحمان صاحب اسے ٹوٹنے والی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

”جی نہیں ایسے بات نہیں اس نے آہتہ سے کھدی۔“ حضرت اس سے جھپ جھپ کر ملتے تھے۔

”تب پھر تمہیں اپاکہ اس کا علم کیسے ہوا؟“

”ایک دوسری لڑکی....“ فیاض کی آواز نہ جانے کیوں کامپ گئی۔ اور اس نے بوكھالاۓ

ہوئے انداز میں رحمان صاحب کے چہرے سے نظر ہتا کر کہا۔ ”نج... جتاب... ایک لڑکی ہے جو اس راز سے واقف تھی... اس سے یہ بات مجھے معلوم ہوئی تھی؟“
”تو ہو... تو وہ عمران کو پہچانتی بھی تھی۔ تمہارے ساتھ اکثر دیکھا ہو گا۔“ رحمان صاحب سر ہلا کر بولے۔

”میں نہیں... یہ بات نہیں ہے۔“

”پھر کیا بات ہے؟“ رحمان صاحب جھنجلا گئے۔

”یہ... یہ... دیکھتے...“ فیاض نے بہت نیزادہ یوکھلا کر کوٹ کی اندر ولی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور ایک لفاف نکال کر رحمان صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

لفاف سے ایک تصویر برآمد ہوئی اور رحمان صاحب آنکھیں پھٹا چھڑا کر اسے گھورنے لگے۔ یہ عمران ہی تھا کسی یورشین لڑکی کے ساتھ...
”تو یہی لڑکی قتل کردی گئی تھی۔“ رحمان صاحب نے کے کچھ دیر بعد کہا۔ ”لیکن یہ تصویر کہاں سے ہاتھ گئی۔ قتل تمہارے بیان کے مطابق آج سے تین ماہ قبل ہوا تھا۔“

”وہ دیکھتے... اس لڑکی سے میری جان پہنچانے ہے جس بے یہ تصویر مجھے لفافاً سی شام تی تھی جب پہنچا کیا نے عمران پر حملہ کیا تھا۔ یہ بھن لفاف تھا جتاب اور نہ میرے فرشتوں کو کسی علم نہیں تھا کہ کب کہاں کیا ہو چکا ہے۔ لڑکی نے بات ہی باہت میں مار تھا کی کہانی سنائی تھی۔ اس نے بتایا کہ مار تھا اس کی گہری دوست تھی اور اس سے اپنا کوئی راز نہیں چھپا تی تھی۔ اسی نے اسے اپنے تازہ دروبان کی کہانی سنائی تھی اور یہ تصویر بھی دی تھی...!“

”ہوں تو پھر؟“ رحمان صاحب کے خدوخال تنکے ہوتے جا رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ عمران کسی قسم کی جواب دیتے سے پچھے کے لیے... یہ کھلی...“

”کیوں بکاؤں کر رہے ہو؟“ رحمان صاحب گر بھجے۔ ”کیا تمہیں اس کے وہی انتہاں میں شہر ہے؟ شہر کے سارے بڑے ڈاکٹر اسے دیکھے چکے ہیں اور ان کا اختفہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنی یادداشت کو بیٹھا ہے۔“

”م... میں نے... صرف اپنا خیال ظاہر کیا تھا جتابا۔“

”غمز میں دیکھوں گا۔“ رحمان صاحب فواؤزم پر کئے۔

”میں کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ دراصل میں تو صرف ابھی لیے حاضر ہو اتا تھا کہ آپ کو صورت حال سے آگاہ کر دوں۔ خدا نعمت اس کا یہ مقدمہ نہیں تھا کہ عمران کو کسی جرم میں ملوث سمجھتا ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ رسولی قسم کی تھویات میں کبھی نہیں پڑے۔“

”آج میں نے اسے کرے میں ہند کر دیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ کل تک حالت اتنی مخدوش نہیں تھی۔“

”مخدوش تواب بھی نہیں ہے۔“ رحمن صاحب نے ستر انہیں لجھے میں کہا۔ ”اختیار کیا قدم اٹھایا ہے... ہاں اس لڑکی مار تھا کے متعلق اور کیا معلوم کیا ہے تم نے؟“

”میں سمجھی کہ وہ کوئی اچھی لڑکی نہیں تھی۔ اسی نے یہ خیال خاہر کیا تھا کہ وہ اپنے اسی رو دیاں کی وجہ سے مار دی گئی ہو گی.... کیونکہ شہر کے کئی متول آدمی اس سے شناوری کرنے کے بھی منع تھے لیکن وہ کاروبار کی حد سے کبھی آگے نہیں چو گئی۔ البتہ نے رو دیا نے اس کی پڑی حد سکت کیا پڑ دی تھی.... یعنی وہ ان دونوں شریف بننے کی کوشش کرنے لگی تھی۔“

رحمن صاحب تھوڑی دیر تک سوتھے رہے پھر بولے۔ ”اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عمران کی وجہ سے اس لڑکی مار تھا سے مل بینا تھا تو اس میں سڑپڑا کیا کہاں سے آ کوئی؟“

”دیکھئے.... پھر بعض قیاس ہی کروں گا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسا ہی ہوا گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ عمران نے اسی سلسلے میں پھلا کیا سے کوئی سودا کیا ہو؟“

رحمن صاحب پھر دیکھو لے وہ پہلے سے بھی زیادہ غفران مدد نظر آنے لگے تھے۔



سندر چد لمحے اسی طرح بیز کے گوشے پر نکالا۔ پھر المشر احمد کو صدر پر ڈال دیں۔ فکٹ پہیٹ بھی اپنی اور ایک جنوب اچھال دی دو۔ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے کتنے دونوں بھکت کوئی نبی افسون کے دام لگانے پڑتے ہیں۔ اسے اس قسم کی مفہمات سے بڑی غارت تھی لیکن، اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اسے بہر حال کبڑے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اگر اس بھرپوری کے اصل متفہمد سے واقع ہوتا تو اپنی محل بھی لڑاتا۔.... وقت چھانٹے کی بھی کوشش کر رہا اور ضروری معلومات بھی فراہم کر لیتا۔

پچھے دیر بعد پہنچ شی مسکراتی ہوئی کرے میں داخل ہوئی لیکن خالی ہاٹھ تھی۔ آج وہ کشیدنی

اندون نہیں لائی تھی۔

”ارے تم یوں نہیں بیٹھے ہو۔“

”ٹمک ہے۔“ صدر بھی مسکر لیا۔

”میں کہتی ہوں جب تم نہیں پیتے تو خواہ خواہ اچھی بھلی عادت بگاتے سے کیا فائدہ۔“ اس نے بستر پر بیٹھے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کپا اور صدر پوچنا نظر آئے لگا۔
”کیا مطلب؟“ وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

”میں جانتی ہوں کہ زیادہ تر گولیاں تمہاری جیب میں جاتی ہیں لیکن یہ دو چار ہی تمہیں بہت جلد عادی بناؤں گی۔“

”اوہ.... اب سمجھا۔“ صدر زبردستی خس پڑا۔۔۔!“ یہ بھی بڑیں چکانے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ گویا میں تاؤ میں آکر زیادہ سے زیادہ پینا شروع کر دوں گا۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ کوئی بھج سانہیں زمانے میں....“

”غلظانہ سمجھوا۔“ تمہارے بھلے ہی کو کہہ رہی ہوں۔“

”پھر بھی یہ حقیقت تو نہیں ہے جو تم کہہ رہی ہو۔ تم نے مجھے کب ایسا کہتے دیکھا تھا؟“

”خیر چھوڑ دختم کرو۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میرا کیڈ۔“

دفعتاً کہرا کر کے میں گھس آیا۔۔۔ میکن دروازے سے ہے سرف دو ہی قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ وہ صدر کو تھہ آکو دنظر دوں سے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے گرج کر چکٹی سے کھل۔ یہ کون ہے؟ جسے تمہاری خوابگاہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔“

”تم سے مطلب؟“ چکٹی غصیلے انداز میں الٹ پڑی۔

”مطلوب۔“ کھڑے ہے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں۔۔۔ اور خاموشی سے اسے گھورتا رہا وہ غالباً غصے کی زیادتی ہی کی وجہ سے ہانپ رہا تھا۔

”تم مجھ سے ایسے لجھ میں گفتگو نہ کیا کرو سمجھ۔“ چکٹی نے چیخ کر کھل۔ ”دہاں کوئی پیدا نہیں تھی پھر کیا میں اسے گودام میں بیچ دیتی؟“

”پھر بھی میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی تمہاری خوابگاہ میں قدم رکے۔“

”ارے واه۔“ وہ جھلائے ہوئے انداز میں ہاتھ خچا کر بولی۔ ”خدا کی قدرت! چاندی کے

ٹھیک ہیں پیش کراؤ گدھی سے اور ذرا اپنی صورت بھی دیکھو لو... کیا میں تمہاری جو رود ہوں جو اس طرح آئیں دکھارے ہو جاؤ یہاں سے ورنہ دکھل دوا کر نکال دوں گی۔ ہاں چنگ شی نام ہے میرا... چنگ شی"

"حراف" کبادانت پیش کر مکاتانے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

"مسٹر!" صدر نے ایک جست میں اس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "بچھے ہوئے ایک عورت ہے... کوئی پیلوان نہیں جس پر تم کچھ بڑا کی مشت کر سکو۔" کبڑا رک کر اسے قہر آؤ د نظر دی سے دیکھنے لگا... پھر یہ یک ایسا معلوم ہوا جیسے کسی غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ وہ مکمل ڈھیلا ڈھالا نظر آنے لگا۔ چھرے پر زی بھیل گئی اور ہونتوں پر خفیہ سی مسکراہٹ بھی نظر آئی۔

"وہ وہ کھاؤ گے دوست۔" اس نے آہت سے کہا۔ "اس عورت نے جس طرح اس وقت مجھے ذمیل کیا ہے کل تمہیں بھی کرے گی... اس کا تعطیل آئوی کی نسل سے نہیں ہے۔"

"تو کتنے بس اب چلے ہی چلا یہاں سے۔" وہ جھلا کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوا جاتا ہے اب وہ کہ رے پر جمیٹ ہی پڑے گی اور اس کے دانت اس کی گودوں میں پوست ہو جائیں گے۔ جسم کا سارا الہوچوں لے گی۔

"تبس فتح کرو۔ جانے دو۔" صدر رہا تھا انداز کر رہا۔ "خدا کی پناہ... یہ جنکی عورت تھی نہ سے کی جالت میں کتنی حسین لگتی ہیں۔"

"بہت حسین! کہاے نے پھر زبردلاجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔" اس ریجنمنٹ کی طرح جس نے شہد کی کھیوں کے دھوکے میں بڑوں کے پچھتے پر ما تمہارا دیا ہو۔

"غماشوش رہو۔" وہ مشیان بھیج کر جگایا۔ "کل جاؤ... تم دونوں یہاں سے تکل جاؤ۔ دفعہ ہو جاؤ... پھر کبھی تم دونوں کی شکلیں یہاں نہ کھائی دیں۔ جاؤ..."

صدر نے اسے گھور کر دیکھا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

کبڑا بھی واپسی کے لیے مرتا ہوا یہاں۔ "وکھے ملائم ہے۔"

پھر اس کا غرہٹ نہ اٹویل تھیہ۔ صدر نکالی کے دروازے تک ختار پڑا۔

اب وہ گلی میں تھا۔ ایک پل کے لیے نمکا اور پھر سرک کی طرف بڑھ گیا۔

”وزرا شہیر دوست۔“ یک بیک پشت سے آواز آئی اور صدر رک گیا۔ آواز دینے والا کبڑا ہی تھا۔ لیکن اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی صدر نے کہا۔ ”میں محکمت تسلیم کر لینے کا ہدایت نہیں ہو۔“ ”خدا غارت کرے اس عورت کو۔“ کبڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم جیسے جوان آؤ۔ بھی اس کے گرد بھنو روں کی طرح چکراتے رہتے ہیں۔“

”احمقوں کی سی باتیں نہ کرو دوست۔“ صدر بولا۔ ”اس کا خیال ہے کہ میں نہ تو نئے باز ہوں اور نہ اس کا عاشق! تمہارے وہاں پہنچنے سے قبل وہ بھج سے سہکا کہہ رہی تھی۔“ ”میا کہہ رہی تھی؟“ کہڑے کے لبجھ میں بلکہ ساتھ تھا۔ ”بھی کہ میں نئے باز نہیں ہوں ایک درجن میں سے صرف تین چار گولیاں لگاتا ہوں اور بقیہ جیب میں ڈال لیتا ہوں۔“

”اوہ.... تو کیا یہ حقیقت ہے؟“ ”بکواس کرتی ہے۔“ صدر بولا۔ بھج سے زیادہ شاید تم بھی نہ پیتے ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نہ تو پینے کی غرض سے یہاں آتا ہوں اور نہ اس پر عاشق ہی ہوں۔“ ”اوہ۔ آؤ.... چلتے رہو.... بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو کہیں اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔“

صدر کچھ نہ بولا۔ وہ چلتے رہے... سڑک پر بھی کہڑے نے ایک گندے سے ہوٹل کا رخ کیا۔ صدر اپنی اصل محل میں تو وہاں کبھی جا گئے کا بھی زوادار نہ ہوتا۔ بہر حال اس وقت تو جانا ہی پڑا۔ غیر متوقع طور پر آج اسی سے دو بدبو ہونے کا موقع ہاتھ آگیا تھا جس کے لیے اس نے اتنے پاپر بیٹھے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کیس سے بے حد بور ہو چکا تھا۔ لہذا اب اپنی اس تک دو دو کا مقصد دریافت کرنے کے لیے وہ کہڑے کے گردیاں پر ہاتھ بھی ڈال سکتا تھا۔ ایک گوشے میں اس نے ایک خالی میز منتخب کی۔

”آرام سے بیٹھو۔“ کہڑے نے کہا اور پھر دیٹر کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا۔

صدر اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی طرف سے غیر مطمئن ہو۔

”ہوں! تو اب بتاؤ.... پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے مجھے ہم دونوں ایک دوسرے کی عرصہ سے جانتے ہوں۔“

”بیچھے تو نہیں محسوس ہوتا۔“ صدر نے لاپرواٹ سے شانوں کو جنبش دی۔

کہا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تمہارا اپیشن کیا ہے؟“

”چنگ شی کے اڑے پر پائے جانے والے کسی معزز پیشے سے متعلق تو نہیں ہو سکتے۔“ صدر

مکر لیا۔

”اوہ... کیوں نہیں! سرکاری جاؤں بھی تو ہو سکتے ہیں۔“ کہا باس آنکھ دبا کر چھتے ہوئے لجھ میں بولا۔

”ممکن ہے۔“ صدر نے لاپرواٹ سے کہا اور دیوار سے الگی ہوئی ایک فلم ایکٹریں کی تصویر کو گورنے لگا۔

چائے آنکھی۔ برتن گندے تھے لیکن صدر کو طوعاً و کہاں کا ساتھ دینا ہی پڑا۔

”تم نفرت سے ہونٹ سکوڑ رہے ہو۔“ کہرے نے قہقہہ لگای۔ ”تمہاری پیشانی پر نہیں ہیں۔“

”غفل سمجھے! میں تو اسی گندگی کا کہرا ہوں! ... کچھ اور سوچ رہا تھا۔“

”وہندہ اکیا ہے تمہارا...؟“

”اب تو بھے بھی سوچنا پڑے گا۔“ صدر مکر لیا۔ ”یقیناً سوچنا پڑے گا کہ چنگ شی کے اڑے پر سرکاری جاؤں سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔“

کہرے نے پھر قہقہہ لگای اور بولا۔ ”تم بھے کیا سمجھتے ہو؟“

”پولیس افشار...“ صدر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا اس انپر کی طرح بھکارا۔ اس پر کہرا ہنستے ہنستے بے حل ہو گیا۔ پھر بولا۔ ”اچھا چلو... چائے ختم کرلو... پھر میں تمہیں دکھاؤں گا کہ پھر اوندو اکیا ہے۔“

O

وہ حمان صاحب نے ثریا سے عمران کے کمرے کی کنجی طلب کی۔

”میں بھی چلوں ڈیڈی؟“ ثریا نے پوچھا۔

”نہیں!“ رحمان صاحب کا الجھ خشک تھا۔ کھرخند نظر آنے لگی۔ رحمان صاحب پہلی بار خود عمران کے کمرے میں جا رہے تھے۔

انہوں نے قتل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ عمران سامنے عی دیوار سے نیک لگائے فرش پر

بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ پلکش جپکائے بغیر خلامیں گھور رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے بیٹھے میٹھے روح نفس غفری سے پرواز کر گئی ہو۔ رحمان صاحب کے اندر داخل ہو جانے پر بھی اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر اسی ہوتی سی آنکھیں بدستور خلامیں گھورتی رہیں۔

رحمان صاحب بوكھلا گئے.... بدحواسی کے عالم میں پھر دروازے کی طرف پڑھے ہی تھے کہ آواز آئی۔ ”سلاما لیکم“

وہ چونک کر مڑے۔ اب عمران کی آنکھیں ان کے چہرے کی طرف اٹھی ہوئی نظر آئیں لیکن وہ اب بھی پلکش نہیں جھپکا رہا تھا۔

”فرمایے۔“ اس نے کوئی کھلی سی آواز میں پوچھا بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے یک بیک کسی لاش کے ہونٹ بلے ہوں لور آواز بھی لکھی ہو۔ چہرے پر زندگی کے آثار اب بھی منقوص تھے۔

رحمان صاحب کو سبے پناہ غصہ آیا اور اس حرکت پر اور وہ اہل عین تو پڑے۔

”سید ہے کھڑے ہو جاؤ۔“ انہوں نے گرج کر کہا۔ ”میں تمہاری بیاد داشت وہاں لاؤں گا۔“

عمران اپنی عی رو میں بولا۔ ”نہیں چلے گی..... م دھو بالا نہیں چلے گی۔ گہتا بالی اس روں کے لیے مناسب ہے۔“

”میں کہتا ہوں کھڑے ہو جاؤ۔“ رحمان صاحب پھر دھڑکے۔

”سلاما لیکم.....“ عمران آہستہ آہستہ اٹھتا ہوا بولا۔

”اتنا پنوں گا کہ ہوش نہ کرانے آجائیں گے سید ہی طرح بات کرو۔ بادھا کوں تھی؟“

”ہو گی کوئی ایک شر ا.....“ عمران بولا۔ ”بیرون کی بات کر رہا تھا..... سلاما لیکم۔“

رحمان صاحب نے جھپٹ کر تراک سے ایک تھپڑا اس کے گال پر سید کر دیا۔ اور عمران

دوسری طرف گرتا ہوا چلنا۔ ”کٹ!“

پھر سنجھل کر اٹھا اور دروازے کے قریب جا کر رکا۔

”لوہر دیکھو.....“ اس نے رحمان صاحب کو مخاطب کیا۔ ”غلط آئے تھے..... اس طرح

چل کر آؤ۔ پھر تھپڑا رہو..... سمجھے..... سلاما لیکم..... بھی.....!“

”میں تمہیں پھانسی سے نہیں بچا سکوں گا۔“ رحمان صاحب دانت پیس کر بولے۔ ”کیہنیں

فیض کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔“

"اوہ... ... عمران منہ بنا کر یو لا۔" تم تو دمک سے ڈالیاں بھی نہیں بول سکتے انہاں کمال و نہادوں؟"

"ہوشیں میں آ جا۔" رحمان صاحب ملک کے مل دہائے اور انہیں کھانی شروع ہو گئی۔ "آواز بھی ہماری شکر نہیں ہے گی۔" عمران نے ہمیں سلسلہ انداز میں سر ہلا کر کہا "خَنَّ اللَّهُ
مَالِكَ بَهْ... سَلَامُكُمْ...!"

اک پہاڑ رحمان صاحب بری طرح پل پر سے دہمہ ہوا۔ شکر کا ہر فرد وہیں آئیا جسی کہ پیدا
ماں بیٹکا!

رحمان صاحب عمران پر سو بڑا سے دونوں ہاتھوں سے بری طرح پہنچ رہے تھے۔
لکھاں لی... پیٹھے پیٹھے تو سے کریں اور یہ ہوش ہو گئی۔

لڑکیاں بھی کھنچ کر عمران سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔
لڑکیاں بھی کھنچ کر عمران سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

پھر رحمان صاحب کو ہوش آیا اور وہ عمران کو چھوڑ کر بہت سمجھے۔

عمران انہوں کو پڑے جھاڑتا ہوا یو لا۔ "یہ چلے گی... نیچلے انہیں..."

رحمان صاحب چپ چاپ نڑے اور جیزی سے دروازے کی طرف ہو گئے۔

سلامُکُم۔" انہوں نے دروازے سے کرہتے وقت عمران کی آواز سنی۔

لامبیری میں آکر انہوں نے دروازہ بولٹ کر دیا۔ پھر منہ کی سڑپر آئیں۔ چند لمحے ساکت
بیٹھے خالی کھوبتے رہے۔... پھر دونوں ہاتھوں سے من پھینکا کر بھیوں کی طرح بھوت بھٹکت کر
روشن شردع کر دیا۔



جو شاندار عمارت تھی.... صدر کی آنکھیں محل گئیں۔... کھڑا اسے ایک بند گاڑی
میں بیٹاں بیک لایا تھا اور صدر تن پر تقدیر اندر ہیرے میں بیٹھا۔ گبری گبری سائنسی لیتاربھا قائم کیلے
کسی نہ کسی طرح حتم کرنا تھا۔ کیونکہ اس گردنی نے کافی بور بھی کیا تھا اور تھکا بھی تھا۔
گاڑی پر کی تھی.... اور وہ نئے اتراتھا۔ لیکن گاڑی تو ایک بہت بڑے کرپے میں رکی تھی۔

اس کے فرشتے بھی اندازہ نہ کر سکتے کہ آمد کن راستوں سے ہوئی ہوگی اور اب وہ شہر کے کس حصے میں تھا.... کس عمارت میں تھا!

صادر نے سوچا ممکن ہے کہ وہ اس میک اپ میں بھی پچھلے لیا گیا ہو۔ اور اس وقت اس حرکت کا مقصد بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ساتھیوں میں سے اگر کوئی بندگاؤں کا تعاقب کرے تو وہ بھی کہڑے کی نظر میں آجائے۔

”ولہیار...“ اس نے دھنلا چک کر کپڑا در چاروں طرف تحریر اندزاد میں دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ ”بہت کہرے معلوم ہوتے ہو۔ بہت دنوں سے ایسے ہی آدمیوں کی جلاش تھی.... اور بس اب تم مجھے بھی جتنڈ سے پھررا ہوا کوئی بھی زیادی سمجھو۔“

”او نہہ... ہونہہ!“ کہڑے نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”بس میری ہی تعریف کیے جاؤ اپنے مختلف پکھنہ کو کے اسی نے تمہیں پہچانے میں غلطی نہیں کی تھی۔ پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چلو بس اب آؤ۔ گندے بر تھوں میں بد عروہ چائے کا مادا ہو جائے گا۔“

وہ وہاں سے چل کر ہاں میں داخل ہوئے جہاں لاکھوں روپے کا تہراٹی سامان نظر آ رہا تھا لیکن سامان کی سینک سے عمارت کا مالک ابھی نیٹ کا آڈی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

بیٹھے جاؤ۔ کہڑے نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ صدر بیٹھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ہی میں دھستا چلا جائے گا۔

”پکھ اندازہ لگایا۔ ہمارے متعلق۔“ کبڑے نے پوچھا۔
”میں نے آج تک کوئی بادشاہ نہیں دیکھا۔“ صدر نے عمدہی سانس لی۔ ”لیکن بادشاہوں کے غائب نہیں۔ اب تو تمہارا الحجہ اکر نہ کوئا۔ سامنہ تھا۔“

”کرو گے....“ کمپرے نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”میں دنیا کا بہت بڑا آدمی ہوں ساری دنیا کا بادشاہ سمجھ لو۔“

یک بیک صدر نے خوفزدگی کی ایمنگ شروع کر دی۔

شاید میں نے کچھ گستاخیں بھی کی تھیں۔ ”
”وہ... دیکھئے... بج... جناب... بھلامیں کیسے جان سکتا تھا کہ آپ کون ہیں...“

کہلے نے تھیہ لگایا..... دیر تک ہستارا پھر بولا۔ ”پرواہ مت کرو..... اس بیڈھنے جسم

کے انہوں بڑا شاندار دل ہے..... میں تو انہیں بھی معاف کر دیتا ہوں جو مرد کوں پر مجھ پر آوازے کتے ہیں... اگر تمہیں معاف نہ کر دیا ہو تا تو یہاں لاتا ہی کچھ؟ ”

”میں بے حد شرگزار ہوں جتاب والا....“ صدر کشمکشیاں میر کسی کسے ہوئے خوشابدی کی طرح دو اونٹ نکل دیئے....!

کبڑے نے تالی بھائی..... اور سادا بہل آر کشرا کی ہو سیقی سے گونج اٹھا..... دو اونٹوں کے پر دے پہنچے گئے اور پھر ہر دروازے سے قمر کتی ہوئی لاکیوں کی فول بیان پال میں داخل ہوتی نظر آتے لگیں۔

صدر بیو کھلا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بھی بڑی شاندار ایکٹھ تھی ورنہ ہزاروں قمر کتی ہوئی لاکیاں بھی اسے متاثر نہ کر سکتیں۔ اس کی بوکلاہٹ یا لکل اسکو عی تھی جیسے کوئی ”بند اوی جام“ کسی الف لیوی محفل میں آپضا ہو۔

ڈیکھو! دیکھو! اقریب سے چاکر نفحہ پیچے۔ ”کبڑے نے تھپہ تھپہ لکل۔ باقاعدہ رقص شروع ہو چکا تھا۔ صدر بیو نبی خفنل کے طور پر لاکیوں کا شمار کرنے لگا۔ کل یا لیس لاکیاں تھیں۔ بھی ایک سے ایک پہنچ کر پھر تھکی اور زندگی سے بھر پور تھوڑی دیر بعد کبڑے نے ہاتھوں کو گردش دی اور وہ سب ایک چار منٹ سامنے والے دروازے سے نکل گئیں۔

ہو سیقی تھم گئی..... اب کبڑے نے پھر تالی بھائی لوگوں میں قوی ہیکل جوان ہاں میں حص آئے۔ ان سے ہاتھ میں چار چار فٹ لمبی لکڑیاں تھیں.....!

انہوں نے قدیم خون پر گری کے کمللات دکمانے شروع کر دیئے۔ صدر سوچ رہا تھا کاش ایکس ٹوان حالات سے بے خبر نہ ہو۔ کاش کسی نے بند گاڑی کا تعاقب کیا ہو جسکیں وہ یہاں تک لاواگی کا تھا۔

کمبل ختم ہو گیا..... اور وہ لوگ بھی باہر نکل گئے۔ صدر سوچ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کی اصل مشکلیں نہیں ہو سکتیں۔ حقیقی طور پر وہ میک اپ میں تھے۔ ”کبڑے کیا خیال ہے؟“ کبڑے نے سرکار پر چھا۔

”شاندار... جتاب والا۔“

”بھوک گئی ہے۔“

”ہے تو کچھ۔ صدر رہیت شوٹا ہوا بولا۔

”او...“ وہ احتشام ہوا بولا۔

O

رات کے پارہ بجے تھے۔ کیپشن فیاض کی گاڑی گرین اسکوار کے سامنے رکی۔ انہیں بند کر کے وہ نیچے اتر لیا۔ ایک شش منزلہ عمارت تھی۔ لیکن رات کو گیارہ بجے کے بعد لفٹ بند ہو جاتی تھی اور آنے والوں کو زینے استعمال کرنے پڑتے تھے خواہ چھوٹیں ہی منزل پر کھولنے جانا ہو۔ فیاض نے ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ اسے چھوٹیں ہی منزل پر جانا تھا۔ منزل مقصود پر بھی کرا سے سانس لینے کے لیے رکنا پڑا۔ چند لمحے کھڑا باپدار ہا ہمہر ایک دروازے کی طرح بڑھا۔ دیر تک گھنٹی بھلنی پڑی۔ تب اندر سے قدموں کی آواز آئی۔ دروازے کے قریب کوئی رکا اور پھر ایک بھرائی ہوئی سی نسوالی آواز آئی۔ ”کون ہے؟“

”فف... فیاض۔“

”مم... مگر...“ اندر سے کسی نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ بھر خاتا چھا ایک

”دروازہ کھولو... کئی... میں کیپشن فیاض ہوں۔“

”اس وقت... مم... میں... دیکھنے کیپشن۔“

”پوچھ مت کرو۔ دروازہ کھولی دو۔ اگر تمہارا کوئی دوست اندر موجود ہے۔ جب بھی مجھے اعتراض نہ ہو گا۔“

اس نے سر گوشیاں سنیں۔ تینی طور پر اندر ایک سے زیادہ آدمی موجود تھے۔

”کیا تم نے سنائیں۔“ اس نے اس پار تھکمان لجھ میں کھل دیا اور

”غشت... غہریے!“ نسوالی آواز کے ساتھ ہی بولت گرنے کا کھانا کا بھی سالنی دیا اور دروازہ کھل گیا۔ ایک لڑکی جس کی عمر بیس اور پہیں کے درمیان رہی ہو گی۔ سامنے کھڑی نظر آئی۔ اس کے جسم پر سلپنگ سوت تھا۔

”بیلو کئی۔“ فیاض نے مکرا کر سر کو خفیف سی جبکش دی لیکن اس کا انتقام نہ کر سکا کہ لڑکی

واسطے چھوڑ کر بہت جاتی۔ بس در اندر رکھتا چلا گیا تھا۔

کئی کامنہ خوفزدہ انداز میں کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ فیاض کمرے کے وسط میں رک کر اس کی طرف مڑا۔

”تم بہت پریشان نظر آری ہو۔“ اس نے کئی سے کہا۔
”نہیں تو....“

فیاض نے دوسرے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا چکا لیجے اس پر نظر جائے رہا پھر
پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”وہ..... وہ..... کچ کھلی عجمی نہیں۔“ کئی چکلائی۔

فیاض نے سکرا کر کہا۔ ”جو کوئی بھی ہو۔ اب اسے باہر نکال دو۔ میں کچھ دیر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“ کئی نے بے بی سے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

”ہا۔ اس سے کہو کہ باہر پلا جائے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ تم ذر کیوں رہی ہو۔ ہا۔ کیا حماقت ہے... سوڈا تیر... نہ تم شیریں ہو اور نہ میں فربہ... میں تھی بہلاستے کے لیے کبھی کبھی مل بیٹھتے ہیں۔“ فیاض نے کہا اور سکریٹ کیس سے ایک سکریٹ نکال کر ہوتھی میں دھاتا ہوا بولا۔ ”مچھی....!“

کئی نے مینٹل پیس سے لاسٹ اٹھا کر اس کی سکریٹ سکائی اور پھر منظر بانہ انداز میں بند دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

وقتاً فیاض نے بلند آواز میں کہا۔ ”تم جو کوئی بھی ہو فوری طور پر باہر نکل جاؤ ایک پولیس آفسر کی سکریٹ کرام سے کچھ پوچھ چکھ کرنا چاہتا ہے۔“ مگر اس نے کئی کی طرف دیکھا جو بے دلی سے سکر اڑی تھی۔ لیکن ایسا کافی اس کا چہرہ پہلے سے بھی ایسا ہے خوفزدہ نظر آنے لگا۔

فیاض دروازے کو گھوڑے جارہا تھا۔ دوسرا طرف سے کسی حرم کی بھی آواز نہ سنائی دی ہے۔

آخر دو جلا کر اٹھا اور دروازے کو اس زور سے ٹھوکر مار دی کہ پورا کرہ جھینخنا اٹھا۔ دونوں پاٹ مکل سچے لیکن.... کمرے میں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اس نے پورا قلیٹ چھان بڑا۔

”کون تھا؟ کہاں گیا؟“ وہ کئی کو گھوڑا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔

”میرے خدا.... میں کیا کروں؟“ کئی بھرائی ہوئی آواز میں بولی اور آنکھیں بند کر کے اپنی کپٹیاں سہلا نے گی۔

”کیوں؟“ فیاض غریب۔

”خدا جانے اب کیا ہو؟“ کئی نے سکی لی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو؟“

”پچھے نہیں.... پچھے نہیں.... آپ کیا پوچھنا چاہئے تھے.... میں بالکل یہی سمجھوں گی کہ میرے ہاتھوں میں ہھکڑیاں ہیں اور میں ایک پولیس آفیسر سے جواب دی کر رہی ہوں۔“

اس کی آواز بھرا گئی اور دو موٹے موٹے قطرے آنکھوں سے گالوں پر ڈھلک آئے۔

”دیکھو کہیں!“ فیاض نرم لمحہ میں بولا۔ ”اس میں شہید نہیں کہ ہم دونوں دوست ہیں۔ لیکن میں اپنے فرائض کو دوستی سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ ویسے یہ کوئی الگی بات نہیں جس کے لیے جسمیں پر پیشان ہوتا پڑے۔ مار تھاںی سے متعلق پچھے دریافت طلب ہاتھیں یاد آگئی ہیں۔“

”م..... مار تھا..... مار تھا..... خدا اس سے سمجھے! میرے لیے مصیبت بن گئی ہے۔“

”آخر تم روکیوں رہی ہو؟“

”آپ کو جو پوچھنا ہو جلدی سے پوچھئے۔ میری طبیعت تھیک نہیں ہے۔“

”مز پہنچا کیا کام سناتے ہے کبھی! وہ جو نہ مدد و اکف ہے.....!“

”میں نہیں جانتی۔“

”اچھا تو دیکھو....“ فیاض نے ایک طویل سانس لی اور پچھے لوگ پھر بوللا۔ ”تم اسے جانتی ہو۔ ابھی طرح جانتی ہو۔ اگر کوئی اس کے متعلق پوچھے پچھے کرے تو میں ہاتھا کا مار تھا اس کی مستقل گاہک تھی۔ وہ نہ داکف ہے۔ کہہ دینا شاید کسی اپستال میں ملازم بھی ہے۔ اپستال کا پوچھا جائے تو کہہ دینا معلوم نہیں۔ خود ذاتی طور پر اس سے والقف نہیں ہو۔ مار تھاںی نے ایک بار تذکرہ کیا تھا۔“

”میں مار تھا کو بھول جانا چاہتی ہوں۔ میں اس کے متعلق کسی سے کوئی گفتگو نہیں کر سکتی۔ میں ہر گز کسی کو یہ نہیں بتاؤں گی کہ مار تھا کو جانتی بھی تھی۔ میں پھانسی کے تنخی پر بھی اس سے انکار کر دوں گی کہ تم مجھ سے اس کی تصویر لے گئے تھے۔“

”کیا بک رہی ہو؟“ فیاض نے آنکھیں کھالیں۔

”جیل میں سڑنا کوارہ ہے لیکن سڑک پر ایڑیاں رکو کر مرنا میرے لئے بہر ہے۔“

”اوہ.... کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں۔ بس چلا۔ اس وقت میں بھی بھلا دوں گی کہ تم میرے گھرے دوست ہو..... ہم نے سیکڑوں خوشنوار شامیں ساتھ گزاریں ہیں۔ اگر جا ہو تو سزا بھی دے سکتے ہو مجھے۔ صبح یا اسی وقت کسی کو بسجھ دینا ہمکریاں لگا کر لے جائے گا۔“

”بھیا تم نئے میں ہو۔ ڈارٹک۔“ فیاض بے بی سے مکریا۔

”مار تھا کے مسئلے پر پاگل بھی ہوں۔ کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔“

”یہ مت بھولو کہ تم ایک ذمہ دار آفیسر سے اس لڑکی کے متعلق گفتگو کر رہی ہو جو قتل کر دی گئی تھی۔ جو تمہاری اتنی قریبی دوست تھی کہ اپنے روناں کی یاد گاریں بھی تمہارے حوالے کر دیتی تھی۔“

”یہ قلمی غلط ہے کیپشن۔“ کئی نے خلک لجھ میں کہا۔

فیاض کی پیشانی پر کئیں ابھر آئیں اور وہ خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ کئی کے رویہ پر اسے حیرت تھی۔ اس روپ میں پہلے بھی نہیں دکھائی دی تھی۔

پھر اب کیا ہو گا وہ سوچ میں پڑ گیا۔ رحمان صاحب کے سامنے ایک غلط بات زبان سے نکل گئی تھی۔ انہوں نے سوالات ہی اس اداز میں کئے تھے کہ وہ یوکھلا گیا تھا.... ورنہ مز پھٹا کیا کا اس کیسی نے تھلک خالہ کرنا حافظت ہی تھی۔ محض عقلی تکہ اس نے محض اس پا پر اس کے پارے میں سوچا تھا کہ وہ ایک بدنام ٹاؤن ف تھی اور مار تھا ایک پولوڈ تھم کی پیشہ در لڑکی۔ وہ اس کے متعلق سوچتا رہا تھا اور سنی بات رحمان صاحب کے سامنے بھی خیابان سے پہلی گئی تھی۔

دفعہ دوہنس پر اور بولا۔ ”میں بسجھ گیا۔ تم نئے میں ہو اخیر آدم کرو! پھر بات کروں گا۔ چلو اچھائی کی... اب تم بھول ہی جاؤ کہ مار تھا سے بھی تمہاری جان بچیاں تھی... مگر یہ تو بتاؤ وہ کون ہے جو جسمیں سڑک پر ایڑیاں رکڑ کر رہے پر جھوک کرے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتی... خدا کے لئے مجھے بورن کرو کیپشن۔“ وہ پھر اپنی کپٹیاں دبائے گئی۔

”اچھا اچھا۔“ فیاض نے سر ہلا کر نرم لجھ میں کھا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اسے توقع تھی کہ اس طرح وہ اپنارویہ تبدیل کر دے گی۔ آواز دے کر اسے روکے گی۔ ... لہذا وہ رو میں باہر نکلا چلا آیا۔ اب باہر نکل کر رکنا یا مڑ کر دیکھا بھی بری کی بات تھی۔ اس نے دروازہ بند

ہونے کی آواز سنی اور دانت پیس کر رہا گیا۔

کئی کو وہ بہت دنوں سے جانتا تھا۔ اس کی دانت میں وہ ایک سادہ لوح پیشہ ور لڑکی تھی۔ لیکن اس وقت کیا ہو گیا تھا سے۔ اوہ.... تو وہ کسی سے خائف تھی.... اندر کون تھا جو اس طرح غائب ہو گیا تھا۔ اس نے تینی طور پر کچن کا دروازہ استعمال کیا ہو گا۔ جو عقیقی گلیارے میں کھلتا تھا۔ نیچے آ کر فیاض نے کاڑی سنگھالی اور گمراہ پنچتے کے لیے ایک دیران سڑک سے گذرنا پڑا۔.... ذیور نگر ہے تھے.... باروں ترین سڑکوں پر بھی اکاڈ کاراہ کیر نظر آ رہے تھے۔

پھر مژلن کی کراسنگ سے ایک فرلاگ ہی آگئے گیا تھا کہ یک بیک پورے بریک لگانے پڑے اور وہ اجنبی بند کر کے نیچے اتر آیا ہیڈ لیپ روشن ہی رہنے دیئے کیونکہ وہ چیز روشنی ہی کے دائرہ انکاس میں تھی جس نے اس طرح گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

سیاہ رنگ کا ایک بندل جس سے دو انسانی پیدا بابر لٹکے ہوئے تھے۔

فیاض چند لمحے اسے گھوڑا تراہ پھر آگے بڑھا۔

بندل میں جبنش ہوئی اور کوئی چمکدار چیز اس سے باہر نکل کر روشنی میں آگئی۔ فیاض ٹھیک گیا۔ یہ کسی نکل پولٹھریو اور کی نال ہی ہو سکتی تھی۔

”نہیں۔“ بندل سے غرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“

غیر ارادی طور پر فیاض کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ ورنہ اس نے بھی ریو اور نکالنے کی کوشش کی تھی۔ پھر اس کے سارے جسم میں ایک شنڈی ہی لبرد دوڑ گئی۔ کتنا بھیاںک چہرہ تھا.... وہ اب بھی کبل ہی میں لپٹا ہوا سڑک پر ڈا تھا اور ریو اور پوری طرح باہر آگیا تھا۔

”اپنے کام سے کام رکھئے کپتان صاحب! مار تھا کے قتل کی تفتیش آپ نہیں فرمائے۔“

خوفناک چہرے والے نے کہا۔

”تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو!“ فیاض بھی غریباً۔

”مشورہ..... جو ابھی دیا نہیں گیا۔ سنتے!“ خوفناک اجنبی نے جھنکا پیدا کرنے والی آواز میں

کہا۔ ”آپ بہت عقائد آدمی ہیں.... لیکن شاید مار تھا کے قتل کے چکر میں پڑ کر آپ اپنا عہدہ بھی کھو بیٹھیں۔“

”یہ دھمکی نہیں ہے؟“ فیاض نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔

”وہ ممکن ہی سکی۔“ وہ کبل پھینک کر سید حاکم را ہوتا ہوا بولا۔ ”میں لوگوں کو جان سے نہیں مارتا لیکن حیلہ ضرور بگاڑ دیتا ہوں۔ میری شکل دیکھ رہے ہوتا۔ مجھے حسین سے حسین چہرے پر بھی رجم نہیں آتا۔ بھی میرا چہرہ بھی بہت حسین تھا۔ مگر وہ زہریلی تکواز مجھے آج بھی یاد ہے جس نے ... دیکھ رہے ہوتا ...!“

فیاض آنکھیں چھاڑتے رکا۔ اس کا چہرہ پیشانی سے ناک کی نوک تک دو حصوں میں تقسیم دکھائی دیتا تھا۔ ایک گہری لکیر تھی جو پیشانی کے وسط سے ناک کی نوک تک سیدھی چلی آئی تھی اور ناک تو شاید پہلے ہی سے موٹی اور بحدی رہی ہو۔ یہ غالباً نکوار ہی کا ختم تھا جو مندل ہو جانے کے باوجود بھی اپنی گہری نشانی چھوڑ گیا تھا۔

ڈاؤن میں بے تحاش بڑھی ہوئی تھی اور موٹپیشیں اتنی بھی تھیں کہ ہونڈ بالکل چھپ گئے تھے۔ یہ میری پہلی اور آخری وارنگ ہے ... ویسے اگر تمہارا اول چاہے تو انپار یو اور بھی نکال سکتے ہو میں تمہیں کسی لہاڑی لا کے کی طرح مار ڈالوں گا حضرت ہو تو نکال لو۔“

”میں تمہارے جغرافیہ پر غور کر رہا ہوں۔“ فیاض نے خوش مراج اور لاپرواہ بننے کی کوشش کی ... ایسا لبجھ اختیار کیا جیسے اسے صرف سمجھہ پن سمجھتا ہو۔

”میرا جغرافیہ یہ ہے کہ میں سردیوں میں بھی سطح سمندر سے لاکھوں فٹ کی اونچائی پر پلا جاتا ہوں۔ گرمیوں میں خط استوپر ملوں گا ... بر سات اس لیے پسند نہیں کہ وہ خون کی بر سات نہیں ہوتی ...“

”کیا تم ہی مار تھا کے قاتل ہو؟“

”وہ بزرگ بار ... ہاں“

”قتل کی وجہ ...؟“

خوفناک آدمی نے ایک وحشت ناک ساختہ لگایا اور پھر بولا۔ ”جوئے قابل آفیسر ہو کپتان صاحب۔ گویا میں نے اس وقت تمہیں اس لیے روکا تھا کہ میری زیارت سے فیض یا ب ہو جاؤ۔“

”کیا مطلب ...؟“

”وجہ میں تمہیں بتا دوں گا۔ وجہ ہی چھپانے کے لیے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کیس میں پا تھوڑے لگاؤ ... دوسروں کو جھک مارنے والے اور پھر یہ کیس تو سر کاری طور پر بھی تمہارے پسروں

نہیں کیا گیا۔ ابھی پولیس ہی کے زیر تنقیش ہے۔“

“？……？”

”اگر تم نے ہاتھ لگایا تو شاید وجہ بھی معلوم کرلو..... کیونکہ تمہارے علاوہ اور کوئی ہے یہاں کے آفس میں.....! بہر حال میں یہ تو پسند کر سکتا ہوں کہ خود پھانسی پر لٹکایا دیا جاؤں لیکن قتل کی وجہ کا راز..... وہ میری زندگی سے بھی زیادہ قسمتی ہے..... بس اسی سے اندازہ کرلو..... اس کی اہمیت کہ اگر میں پولیس کے ہاتھ لگ بھی جاؤں تو بلاشبہ اعتراف جرم کرلوں گا لیکن وجہ جرم غالباً جہنم کے فرشتے بھی مجھ سے نہ معلوم کر سکیں۔“

فیاض پکھنے والا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے وہ تو یوں اور نکال لینے کی بھی دعوت دے چکا تھا۔۔۔ خواہ مخواہ کسی قسم کا خطرہ مول لینا بھی حافظت ہی تھہر تی۔ کیوں نہ اسے دم دلارہ دے کر کسی دوسراے زاویہ سے بکڑا جائے۔

”تم یہ بھی نہیں کہتے ہو کہ کیس ابھی تک میرے پاس نہیں آیا لیکن یہ معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ ڈائریکٹر جزل بھی جانتے ہیں مارٹھا کے قتل کے پارے میں۔“

”سارے زمانہ جاتا ہے پھر اس سے کیا؟ مجھے صرف وجہ چھپائی ہے.....!“

فیاض نے سوچا کہیں تھی تو نہیں دھنکاتا رہا کہی کو بھی.....!

”میں مار تھا کے متعق پکھ بھیں جاتا۔“ فیاض نے کہا۔ ”لیکن....!“

”جن کے ذریعہ کچھ معلوم ہو سکتا ہے اسے بھی میں نے خاموش کر دیا ہے۔ نہیں مانے گی تو اس کا بھی مار تھاں کا ساحر ہو گا۔“

”اوہ.... تو کیا اس وقت تم ہی تھے کئی کے فلیٹ میں؟“

”یقیناً... میں ہی تھا۔“

”مسز پھٹا کیا کو جانتے ہو؟“ فیاض نے غیر ازاوی طور پر پوچھ لیا۔ ”وہ تم تو تھی میسر نہیں ہومیں ٹوائف ہے۔“

خوفاک اجنبی نے بے ہنگم ساقہ تھہ لٹا کر کہا۔ ”زندہ دل بھی معلوم ہوتے ہو۔ نہیں مجھے آج تک کسی مذواکف کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی کیونکہ واکف ہی نہیں رکھتا۔ اب تم مجھے ادھر اور ہر کی باتوں میں الجھا کر کوئی حرکت کرنا چاہتے ہو کپتان صاحب! لیکن تم غفلت میں بھی

مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔ یہ دیکھو! یہ ریو اور بھی زمین پر ڈال دیا۔ اپناریو اور نکالو یا سے ہی اخما کر فائز کر دو مجھ پر...!

”یار بڑے دلچسپ معلوم ہوتے ہو!“ فیاض نے ہاتھ گراتے ہوئے کہد ”ہاں.... ہاں.... نکالو اپناریو اور....“ اجنبی بولا۔

”مارے نہیں۔“ فیاض خواہ خواہ نہیں پڑا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کا ہاتھ کوت کی سائید پاکٹ میں ریک گیا تھا.... لیکن ریو اور ندارد.... وہ چکرا گیا۔

”میں اندر ہیرے میں بھی دیکھ سکتا ہوں کپتان صاحب! تمہارا ریو اور بھی میرے ہی پاس ہے۔ تم جب کئی کے ہجن کے عقی دروازے سے کلر رہے تھے اس وقت میں ہجن عقی میں نعمت خانے کے پیچے موجود تھا.... بس ذرا سا ہاتھ بڑھانا تھا۔ مگر کمال ہے کہ تم اپنی جیب کے وزن سے بھی غافل ہو جاتے ہو.... بھی واقعی کمال ہے....“

فیاض بری طرح جلا گیا اور اسی جلاہست کے عالم میں جیسے ہی اس کا ریو اور اخمانے کیلئے جھکا.... آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ گھوفر نہیں پیدا تھا جو باسیں کئی پر پھٹ پڑا تھا۔ پھرذہ، ان پتدر تنگ ”ناچو ستارو.... ناچو.... اب چاہد نکلنے والا ہے۔“ کی تفسیر ہی بتا چلا گیا۔ فیاض لہرایا اور سڑک پر ڈھیر ہو گیا....!

O

صادر ایک بار پھر اسی بند گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ پڑے نہیں یہ واہی کا سفر تھا اب اور کہیں لے جلبا جا رہا تھا۔

کبھی کا ترک و احتشام دیکھ کر اس کی عقل چکر آگئی تھی۔ کمانے کی میز بھی معمولی نہیں تھی۔ کبھی اصدر نشین تھا اور اس کے ساتھ صادر کے علاوہ بچا اس آدمی اور بھی بیٹھتے تھے لیکن یہ سب بھی میک اپ ہی میں معلوم ہوتے تھے۔

آخر میں کبوتر نے بڑی تقدارت سے پوچھا تھا۔ ”تم آخر میز سے لیے کیا کر سکو گے؟“ ”جان تک دے سکتا ہوں۔“ صادر نے بڑے خلوص سے کہا تھا۔

”جان لے کر کیا کروں گے کیا فائدہ؟“

”ہر امتحان کے لیے حاضر ہوں۔“ صادر نے پھر بعد خلوص سے کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ کبڑا مسکرا لایا۔ ”امتحان بھی ہو جائے گا۔ مگر کیسا.... جنم میں چلا گئے کون نہیں کہوں گا۔ بہت ہی معمولی سا امتحان ہوتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو....!“ صدر نے ضدی پھوٹ کے سے انداز میں سر ہلا کر کھا تھا۔

”لاؤ.... روپا اور نکالو۔“

صدر نے کسی بچکچاہت کے بغیر جیب سے روپا اور نکال کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔

”نشانہ کیسا ہے؟“ کبڑے نے روپا اور کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

”کوئی بڑا عویٰ تو نہیں کر سکتا۔ لیکن اچھا ہی ہوتی ہیں کی گیند پر بھی کم ہی خطاب ہوا ہے۔“

”اچھی بات ہے تو میں یہ چائے کا کپ اچھائی نے جارہا ہوں۔ زمین پر گرنے سے پہلے ہی اسے

ٹوٹا چاہئے۔“

کبڑے نے روپا اور دبارہ اسے واپس کر کے میز سے چائے کا ایک کپ اٹھایا تھا اور فضائیں اچھا ہی تھا۔ لیکن زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے ٹکڑے چاروں طرف بکھر گئے تھے اور روپا اور سے نکلی ہوئی گولی نے ایک قد آدم تصویر کا کیوس بھی پھاڑ دیا تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ کبڑے نے پسندیدگی ظاہر کر کے کھا تھا۔ ”لیکن اسے امتحان نہ کچھ پہنچنا۔“

اور پھر وہ دہاں سے روانہ ہو گئے تھے.... لیکن اس بار صدر بندگاڑی کے عقیقی حصے میں تباہ

نہیں تھا۔ کبڑا بھی اس کے ساتھ تھا۔ صدر بیری طرح چکر لایا ہوا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہے؟

”دھنٹا کبڑے نے کہا۔“ کیا تم راہ چلنے کسی کو گولی مار سکو گے؟“

”ممکن ہے....“

”کبڑے گئے تو....“

”دیکھا جائے گا۔“ صدر نے کہا۔ ”مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ آنے والے لمحات کیسے

گزرنی گے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن اگر کوئی کام اختیاط سے کیا جائے تو تم اس سے بھی بے نیاز ہو سکتے ہو کہ آئندہ لمحات میں کیا ہو گا۔ اب تم اپنے پاس سائیلنسر لگا ہو اور روپا اور رکھا کرو۔“

”مگر گولی کے مارنی ہے.... کیا ضروری ہے کہ سڑک پر ہی ماری جائے؟“

”وہ موقع نہیں دیتا۔ چھلا دے ہے.... اس لیے بھی مناسب ہے کہ جہاں بھی نظر آئے فوراً

گولی مار دو۔“

”میا پہلے بھی کبھی کوشش کی گئی تھی؟“

”کئی بار... لیکن تمہارا نشانہ اچھا ہے.... مجھے ابھی تک تمہارے جیسا کوئی نشانہ باز نہیں

مل سکا تھا۔“

”اب جلدی سے بتائیے بھی کہ وہ کون ہے۔ میری بے چینی بڑھ رہی ہے۔ خون کی پیاس!“

صدر اس طرح خلک ہوتی پر زبان پھیرنے کا بھی قیچی وہ جزوی پیاس محسوس کر رہا ہوا۔

گاڑی کا یہ حصہ تاریک نہیں تھا ایک چھوٹے سے بلب کی روشنی میں وہ ایک دوسرے کا چہرہ

خوبی دیکھ سکتے تھے۔

کمزور نے تحسین آمیز لمحہ میں کہا۔ ”دیوری فائمن اتم یہ کام کر سکو گے.... خیر.... ہاں

وہ آدمی لاکھوں میں بھی پچانا جا سکتا ہے۔ جہاں بھی نظر آئے بے وحیج گولی مار دیتا۔ اخواہ ہزاروں

کے مجمع میں ہو۔ تمہیں چنانی سے بچانا ہمگ دی گریٹ کا کام ہو گا۔“

”ہمگ دی گریٹ۔“ صدر نے تحریر انداز میں پلکنیں جھپکائیں۔

”اوہ.... میں ہمگ دی گریٹ ہوں۔“ کمزور نے تن کر شالہنہ وقار سے کہا۔

صدر نے بدقت بھی ضبط کی اور پھر اس آدمی کا اتنا پتہ پوچھنے لگا جسے گولی مارنی تھی۔

”وہ بڑی آسانی سے پچانا جا سکتا ہے۔“ کمزور اپال۔ ”اس کا چہرہ پیشانی سے ٹاک کی نوک تک وہ

حصوں میں قسم ہے۔“ صدر نہیں پڑا۔

”تم نہ رہے ہو۔“ کمزور اسے گھورتا ہوا سانپ کی بڑی سمجھ کا دار۔ ”میا میں جھوٹ کہہ رہا

ہوں؟“

اس بڑا صدر نے پھر بوکھلاہٹ کی ایکٹنگ شروع کر دی۔ ”نن.... نہیں.... جتاب....

م.... مطلب یہ کہ ایسا چہرہ.... یعنی کہ وہ حصوں میں.... ت....!“

”ہاں.... وہ ایسا ہی چہرہ ہے.... جسے غالباً توار کے لمبے زخم نے بکڑا ہوا گا.... کیا ایسا

آدمی ہزاروں میں نہیں پچانا جا سکتا؟“

”بالکل.... بالکل جتاب.... اب پڑے بتائیے۔“

”پہہ بھی تو نہیں معلوم.... ورنہ وہ تمہارے انتظار میں کب و Lundہ رہتا؟“ کبھی کاشٹھا نے لگ

چکا ہوتا..... بس کبھی کبھی نظر آ جاتا ہے۔ لیکن خطرات کی بوائی طرح سوگھتا ہے جیسے نولا سانپ کی....!

”اوہ.... اچھا میں دیکھوں گا۔ کیا آپ نے اس پر کبھی سائینس ریکارڈ ہاریو اور نہیں استعمال کیا....؟“

”تمن بار۔ لیکن اس کے سلاسلے اچھے ہیں۔ اسے ٹلاش کر کے مانا ہے اگر پکڑے گئے تو چنانی سے پچانے کی ذمہ داری میری فیکر نکل آئے تو.... ہلا.... زندگی بھر عیش کرو گے۔ ہمگد دی گریٹ کے معمولی و قادر بھی شہزادہ زندگی ببر کرتے ہیں۔“

”آجھی بات ہے۔“ صدر نے ایک طویل سانس لی۔

”مگر.... یہ بھی امتحان نہیں ہے۔“ ہمگد نے خلک لبھ میں کہا۔

”کرے تو پھر وہی بتائیجے گا۔“

”ابھی ہو جائے گا امتحان بھی۔“ ہمگد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ گاڑی یکساں رفتادے راستے پر کر ری تھی۔

صدر سوچ رہا تھا.... چکر ہی چکر.... پہلے اس ہمگد کی اس طرح ٹلاش تھی جیسے گھاس کے گھٹرے سے سوئی ڈھونڈ کالئی ہو اور اب یہ مردود بھی کسی ایسے ہی آدمی کی ٹلاش اس کے ذمے ڈال رہا ہے جس کی جائے رہائش کا پتہ نہیں۔

دفعتہ اس نے محسوس کیا کہ گاڑی کی رفتاد نہیں کام ہو گئی ہے۔ پھر وہ کسی جگہ رکھی دروازہ کھلا۔

”اترو۔“ ہمگد نے صدر سے کہا۔

صدر بے چہل وچار اتر آیا۔ یہ دیرانے سے گزرنے والی کوئی سڑک تھی۔ چھ آدمی یہاں

غالباً پہلے ہی سے موجود تھے۔

صدر سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا.... کہ وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔

”کرے.... ارنے....“ وہ بوکھلا کر بیچھے ہٹا۔ گھیرنے والوں کا جلتہ خلک ہو چکا تھا اس لیے ہاتھ جیر ہلانا بھی دشوار ہو گیا۔ گویا بے خبری ہی میں مذاگیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمگد انکی شاندار مہماں نوازی کے بعد اس طرح پیش آئے گا۔

انہوں نے صدر کو زمین پر گرا لیا تھا اور تمی آدمی اسے دبوئے ہوئے تھے۔ وہ ان کی گرفت سے کل جانے کے لیے بڑی طرح ہاتھ ہیڈر ہا قفل کیا ذمہ کرنے کا رادہ رکھتے ہیں۔ اس نے سوچا اور بھر بالکل پاگلوں کے سے انداز میں جدو جہد شروع کر دی لیکن اب دبوپنے والوں میں چوتھے آدمی کا اضافہ ہو جانے کی بنا پر چھٹا حصہ آشکل ہی نظر آتا ہے۔

”بھر بھر دی گردت“ صدر حلق پھٹا کر دہلاو۔ ”یہ کیا بیوڈی ہے ذمہ لیکنے دھو کے بار۔“

”بھر کا قہقہہ سائنس میں کوئیجا اور بھر اس نے سچتے ہوئے لجئے میں کہا۔“ یہ امتحان ہے۔

”کیسا امتحان.... چھوڑ دیجئے....!“

”بجھے دلوگ خست ناپسند ہیں جنمیں بمحض پر خصہ آجائے.... میرے کسی وفادار کو بمحض پر کبھی خصہ نہیں آتا.... ہاں.... چلو اٹھو....!“

بس بھر صدر جھولا جھوٹا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ ہیڈر دوسروں کے ہاتھوں میں سنتے اور وہ خلاہ میں اس طرح جھوک لے کر اسما تھامیسے وہ اسے کہیں دور پہنچ ک دینے کا رادہ رکھتے ہوں۔

صدر بھر دہلاو۔

”بڑی بات۔“ بھر گز لمبے میں بولا۔ ”میرا احترام کرنا سمجھو۔ اب تو بدار تمہارا امتحان لیا جائے گ۔ جب میں دیکھ لوں گا کہ اب تمہیں بمحض پر خصہ نہیں آتا تو.... امتحانات کا سلسلہ ختم اور اصل کام شروع.... مگر دیکھو.... اس آدمی کی حاشی سے غافل نہ رہتا.... اچھا نہ احافظ۔“

آخری جھوکوادے کر انہوں نے صدر کو چھوڑ دیا۔

”پہنچاک۔“ صدر نے اپنے گرنے کی آداز سنی۔ اور بھر دہل دل میں و خستہ ہی چلا گیا۔۔۔ اس شہذتی راستہ میں وہ برف ہی کی دلدل معلوم ہو رہی تھی۔ بدقت تمام وہ اپنا سر بچا کل۔ کہیاں ٹھوں زمین سے ملک گئی۔ دلدل مگر ہی نہیں تھی ہو سکا ہے کسی ٹھلاں کا کنداہی رہا ہو۔

جلان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سمجھا تھا شاید اب وہ اسے ذمہ دی کر دیں گے۔ مگر کہاں کا خصہ اور کہاں کی جھلکیت۔۔۔ اس کے رندھے ہوئے حلق سے ایک تیز قلم کا قہقہہ آزاد ہوا۔۔۔ جس میں پہنچ گئی بھی شامل تھی اور غیر متوقع طور پر جان قی جانے کی خوشی بھی۔

”شاہش!“ دور سے بھر کی آواز آئی۔ ”ضرور چلو گے.... خصہ تو نہیں آیا بمحض پر؟“

پھر کاڑی اشارت ہونے کی آواز آئی۔۔۔!

O

خبر سننی خیز تھی اور غالباً ہر روز نامے میں شائع ہوئی تھی۔
کیپن فیاض نے بھی اسے دیکھا اور ایک طویل سانس لی۔ وہ ناشتے کی میز پر تھا جائے ختم کر
کے سگر یہ سلاکی....!

”فون ہے سرکار۔“ ایک طالزم نے آکر اٹھا عدی۔
فیاض براسامنہ بنائے ہوئے اٹھ گیا۔ اس کی بیوی کہہ رہی تھی۔ ”کسی وقت سکون نہیں ملت۔“
فیاض فون والے کرے میں آیا۔ ”ہیلو....!“

دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز سن کر چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”یہ کیا ہوا بھی؟“ انہوں نے زم لجھ میں پوچھا۔
”کیا عرض کروں جتاب۔“ مجھلی رات زیر و روڈ سے گذر رہا تھا اچانک پچھلا پہیہ برست ہو
گیا۔ گاڑی روکنی پڑی۔ پھر اتر اسی تھاکر تین چار آدمی بے خبری میں ٹوٹ پڑے۔ دوسری پار ہوش
آنے پر خود کو سول اسپتال میں پایا تھا۔ پانچ سور و پے جیب میں تھے جن کا پتہ نہیں۔“
”چوت تو نہیں آئی۔“

”اُسی پر توجہت ہے جتاب!“ فیاض نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”پچھے نہیں میں کیسے
بیہوش ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ستم پر کسی خواب آور چیز کا اثر بھی نہیں معلوم ہوتا۔ کیا
یہ ممکن نہیں جتاب کہ اخباروں پر کچھ پابندیاں عالیہ کر دی جائیں۔“

”کیسی پابندیاں....؟“

”پولیس سے متعلق الگی خبریں نہ شائع کی جائیں جس سے پولیس کی بے و قعی ہو۔“
”خیال نمیک ہے۔ کوشش کی جائے گی۔“

”چار بجے میں نے اسپتال میں حلقة کے انسپکٹر کو اس واقعہ کے متعلق بتایا تھا اور صبح کے
روز ناموں میں خبر دیکھ لجھتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ خبر بڑی اہم رہی ہو۔“

”ہوں.... ایسا نہ ہونا چاہئے۔“

”میں ابھی خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔“

”کوئی خاص بات؟“

”جی ہاں..... وہ دیکھنے میرا خیال تھا کہ شاید مار تھا کا تعلق مز پھٹا کیا سے بھی رہا ہو۔“

”تو پھر؟“

”تجھیل رات میں اسی کے متعلق چنان بین کر رہا تھا لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا۔ مطلب یہ کہ مار تھا کا مز پھٹا کیا سے کسی قسم کا تعلق نہیں ثابت ہو سکا۔“

”غیر۔ چھوڑوا سے.... اگر ممکن ہو تو یہیں چلے آؤ... وہ کجھ درود سر بن کرہ گیا ہے۔“

”بھی حاضر ہوا جتاب!“ فیاض نے اطمینان کی سائنس لی اور دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر رسیور کھو دیا۔

رحمن صاحب آٹھ ہاؤز کے قریب لانگ روڈ پر ملے۔ غالباً ناشتے کے بعد جمل قدی کے لیے لکھا تھے۔

”میں نے اس مسئلے پر بہت سوچا ہے فیاض! لیکن عقل کام نہیں کرتی۔“ رحمن صاحب نے کہا۔ فیاض کچھ نہ بولا۔ رحمن صاحب کہتے رہے۔ ”وہ خود کو فلم ڈائریکٹر سمجھنے لگا ہے پتہ نہیں کن کن اوت پنگ فلموں کے نام لے کر کہتا ہے کہ وہ میری ڈائریکٹ کی ہوئی ہیں۔“

”دیکھنے کے بیاد داشت والیں آتی ہے۔“ فیاض نے مسکی صورت بنا کر شندھی سائنس لی۔ اس وقت وہ بہت معنکھ خیز لگ رہا تھا۔

رحمن صاحب نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ مزید بول کھلاہٹ میں جلا ہو گیا۔

”میں دراصل اس تصویر کے متعلق بھی سوچتا رہا ہوں۔“ انہوں نے کہا۔

”اُرے.... وہ کچھ نہیں! پتہ نہیں قصہ کیا ہو رہا ہو!“ فیاض جلدی سے بولا۔

”عجیب.... میں مطمئن نہیں ہوں....“

فیاض نے پھر سنبھالا لیا اور پیشانی پر ٹکنیں ڈال کر متکرانہ لجھ میں بولا۔ ”جی ہاں! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی.... فلم ڈائریکٹر سمجھنے لگے ہیں خود کو۔ میرا خیال ہے کہ انہیں فلموں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی اور نہ کبھی میں نے انہیں قلمی قسم کے لوگوں کے ساتھ ہی دیکھا ہے۔“

”اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے کیسوں میں عموماً صحیح الدعائی کی حالت کے ہوں ای قلعے بھی کار فرماتے ہیں۔“ ہو سکتا ہے کہ وہ فلمی زندگی سے اپنی واپسی کے متعلق ہو ای قلعے بنا تارہا ہو۔“

”سوچا بھی نہیں جاسکا جناب....! فلمی زندگی کے متعلق ہواں قلے.....!

”تا ممکن نہیں ہے۔ البتہ کسی آدمی کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ میں ایک ایسے انتہائی دولت مند آدمی کو جانتا ہوں جو اپنے ٹیڈی ماسٹر ہونے کے متعلق ہواں قلے بنایا کرتا ہے۔ یقیناً ہنسنے کی بات ہے.... لیکن وہ بہر حال اسی قسم کے ہواں قلے بناتا ہے۔“

”خدا جانے....“ فیاض نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔

رحان صاحب نے کوٹ کی اندر ونی جیب سے ایک کنگی نکالی اور اسے فیاض کی طرف بڑھاتے ہوئے بو لے۔ ”یہ رہی اس کے کمرے کی کنگی۔ لیکن یہ مجھے ہی واپس ملی چاہئے۔ جاؤ دیکھو ممکن ہے تم ہی کچھ کار آمد ثابت ہو سکو۔“

فیاض نے ایسے انداز میں کنگی سنبھالی جیسے یہ اس کے لیے کوئی بہت بڑا اعزاز ہو۔ پھر عمران کے کمرے تک بآسانی پہنچ گیا۔

”قتل میں کنگی گھمائی ہی تھی کہ اندر سے بڑی پودا قار آؤ لاد آئی۔“ میں کم ان....!“ دروازہ کھلا۔ عمران اس طرح میز پر بیٹھا کام کرتا ہوا نظر آیا جیسے کسی فرم کا تنیج اپنے الگ تحفہ آفس میں کوئی بہت ہی اہم کام سر انجام دے رہا ہو۔

فیاض دروازہ بولٹ کر کے مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

”ترشیف رکھئے۔“ عمران نے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور ہاتھ مٹا ہوا بولا۔ ”فرمائیے.... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

فیاض خاموشی سے بیٹھ گیا اور بڑی سمجھیگی سے اسے گھورتا رہا۔

”کچھ فرمائیے بھی جناب!“ عمران نے اکٹائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں بہت مشغول آدمی ہوں۔“

”مار تھا کا قتل....“ فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑی بڑی لیلے

”اوہ.... تو آپ استوری رائٹر ہیں۔“ عمران نے سمجھیگی سے کہا۔ ”لیکن اقوس ہے مسٹر کہ ہم جاسوسی فلم نہیں بناتے.... کوئی سماجی کہانی لایے۔“

”کسی نے مار تھا سے رومان بھی لڑایا تھا۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جاسوسی کہانی جاسوسی ہی رہے گی چاہے جتنا رومان لڑایا جائے۔ کوئی

سلامی اور اصلاحی کہانی لائیے۔ گھر بلو کہانیاں آج کل خوب چلتی ہیں۔ لکھنے لکھنے لئی کہانیاں بھی
لکھنے.... اچھائیں آئینہ دیتا ہوں۔ آپ اسے ڈیوپ کر لیجھ۔ ”
”دونوں نے ایک تصویر بھی ساتھ میں کھینچا تھی۔ ”

”میری کھال بھی کھینچا تھی۔“ عمران جلاہٹ میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”تو آپ کی حکی
میں بھس بھر دیا تھا۔ آپ میری بات کیوں نہیں سنتے۔ کہہ دیا ایک بار کہ اور جسم سی کہانی نہیں
چلے گی....!“

”وہ تصویر میرے ہاتھ لگ گئی ہے۔“ فیاض مسکرا لیا۔

”چہ اسی....“ عمران گھنٹی پر ہاتھ مار کر دھڑا۔

”یہ تو بالکل نہیں چلے گی پیارے۔“ فیاض نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

”اوو.... اوو.... خاموش رہو!“ عمران دانت پیس کر مکاہ کھاتا ہوا بولا۔

”چھی بات ہے۔“ فیاض نے شنڈی سانس لی۔ ”چلنے تائیے آئینہ میں ڈیوپ کروں گا۔“

عمران نے پہلے تو سختی سے ہونٹ پر ہوٹ جمالیے۔ بھر بولا۔ ”گھر بلو تصویر کے لیے ایک

بالکل ہی نیا آئینہ یا ہے میرے ذہن میں....“

یک بیک کی نے دروازے پر دستک دی اور عمران سلسلہ جادی نہ رکھ سکا۔ فیاض نے اٹھ کر
دروازہ کھولا۔ تیکم رحمان سانے کڑی تھیں۔ فیاض نے بڑے لاب سے سلام کیا۔

”وہ اندر چلی آئیں۔ لیکن فیاض کو خونخوار نظروں سے گھور رہی تھیں۔“

”آب تناو۔“ وہ کچھ دری بعد بولیں۔ ”کون نہا ہے اس کی بربادی کا باعث۔“

”میں نہیں سمجھا تیکم صاحب۔“ فیاض گز گز ایا۔

”تم عیا اسے اپنے ساتھ لے جیا کرتے تھے۔“

”گریہ تو قلم ڈاڑیکھڑ ہو گئے ہیں تیکم صاحب.... میں نے کبھی قلم....“

”فضول باتیں نہ کرو۔“ وہ نجف ہی آواز میں بولیں۔

”بیٹھ جائیے.... بیٹھ جائیے....“ فیاض جلدی سے جک کر کھدا بھر فیاض سے

بولا۔ ”ہمچنان میں ان کا وجود باعث رحمت ہے....!“

”تم چپ رہو....“ بیگم صاحبہ نے اسے ڈانت دیا اور فیاض سے بولیں۔ ”اب اتنا کرو کہ اسے یہاں سے کہیں اور لے جاؤ۔ ورنہ وہ اسے زندہ نہ رہنے دیں گے....!“
بیگم صاحبہ کی آواز بھر گئی۔

”ڈاکٹر صاحب کا تذکرہ ہے شاید۔“ عمران نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”اوہ خدا کی پناہ.... ایسا آدمی آج تک میری بفتر سے نہیں گزرा.... ڈاکٹری بھی کریں گے اور ہیر و بھی بیٹیں گے.... میں کہتا ہوں کسی اسٹٹ فلم میں جلاڈ کے روں میں چلا دوں گا تو.... مارنے دوڑتے ہیں.... آپ خود سوچنے جتاب.... اس عمر کا ہیر و.... ہونہہ!“

”چپ رہو۔“ بیگم صاحبہ نے پھر ڈانتا۔

”آپ کہتی ہیں تو چپ ہی رہوں گا۔“ عمران نے بے بھی سے کہا اور سعادت مندانہ انداز میں سر جھکایا۔

”انہوں نے تمہیں یہاں کیوں بھیجا ہے۔“ بیگم صاحبہ نے فیاض سے پوچھا۔

”ان کا خیال ہے کہ.... یہ حضرت....“ فیاض نے جملہ اوصول ایمنی چھوڑ دیا۔

”ہاں.... ہاں! یہ بن رہا ہے۔ یہی خیال ہو گا۔ خدا ایسے جلادوں کو اولاد نہ جانے کیوں بنتا ہے۔“

ٹھیک اسی وقت جب یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ لام پر جوزف شریاکے سامنے ہاتھ جوڑے کمرا گڑ گڑا رہا تھا۔

”ستی میں مر جاؤں گا۔ خدا کے لیے باس کی صرف ایک جھلک دکھادو۔ میں نے تین دن سے انہیں نہیں دیکھا۔ رحم کرو میرے حال پر....“

”اگر انہوں نے پھر تمہاری مرمت شروع کر دی تو....“

”اس کی فکر نہ کرو ستی! وہ مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالیں.... لیکن.... میں.... بس خدا کے لیے مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دلوادو۔“

”تو یہی مجھے بھی شوٹ کر دیں گے۔ نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔ تم اپنی کو غیری میں جاؤ۔“ شریا نے کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔

یہاں عمران کی پہن فیاض سے الجھ پڑا تھا اور بیگم صاحبہ انھ کراپنے کرے میں چلی گئی تھیں۔

شیانے فیاض کو عمران کے کمرے میں دیکھا تو اس کا خون بھی جوش کھانے لگا کہونکہ اس کی دانست میں بھی عمران کو غلط راہوں پر ڈالنے والا تھی تھا۔
وہ کمرے سے نہیں گئی.....

عمران فیاض سے کہہ رہا تھا۔ ”ہاں.... اسلامی فلموں کا آئینڈیا بھی برائیں ہے۔ گرچا لو قسم کے ڈائریکٹر اسلام کی بھی مٹی پلید کر دیتے ہیں اور فلم کی بھی۔ حال ہی میں ایک فلم دیکھی تھی میں نے.... جس کے بادشاہ سلامت غیر قوموں کے سرداروں کو اپنے دربار میں مدح کر کے تبلیغ کیا کرتے تھے.... اف فوہ.... ان کی تقریر کا انداز۔ بالکل بھی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی فٹ پاتھی حکیم مجھ لگائے سرمد نہ کر رہا ہو۔“

”مگر میں تمدھائی کی کہانی قیادوں گا۔“ فیاض نے کہا۔

”تم میری طرف سے جہنم میں جاؤ اور تلوپڑہ قیادو۔“

”تمدھائی کی ایک سکلی بھی تھی۔ جس سے مجھے ایک ایسی تصوری ہے.... کہ....!“
”ٹھہر و دوست!“ عمران پر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں سن لوں گا کہانی.... لیکن کچھ ایڈونس لیے بغیر کہانی نہیں سنایا کرتے.... سمجھے! فرض کرو میں سن لوں تمہاری کہانی اور کہہ دوں کہ یہ نہیں چلے گی پسند نہیں آئی.... اور پھر یہ کہانی خود ہی لکھ کر چلا دوں تو تم میر اکیا ہاڑلو گے.... بولو سلام الحکم....!“

”میں بیتیں نہیں کر سکتا کہ تم اپنی یادداشت کو بیٹھے ہو۔“

”یہ آئینڈیا بھی پرانا ہو چکا ہے کتنی فلمیں بن چکی ہیں یادداشت کو بیٹھنے کے موضوع پر!“

”بڑی مشکلات میں چھنے والے ہو۔ سنبھل جاؤ۔“ فیاض آنکھیں نکال کر بولا۔

”تم زمین میں دھنے والے ہو! نکل جاؤ۔“ عمران نے آغا حشر اشائیل میں گردہ لگائی۔

”رحمان صاحب بہت پریشان ہیں.... تم سمجھتے کیوں نہیں۔“

عمران گھنٹی پر ہاتھ مار کر دہازل ”چپڑا!۔ صاحب کو اٹھا کر نزدک پر پہنچا دو۔“

غرضیکہ یہ بک جنک خاصی دیر نک جاری رہی اور فیاض بے نسل و مرام واپس ہوا۔

یہ سب کچھ تو تھا.... لیکن حقیقت یہ تھی کہ فیاض کا ذہن اس خوفناک پھرے والے آؤں میں الجھا رہا تھا.... کون تھا؟ اور اس کے بیہوں ہو جانے کے بعد اس سے گاڑی کا ایک پہیہ

برست کیوں کر دیا تھا۔ پہیہ برسٹ کرنے کا مقصود اس کی سمجھ میں نہ آسکا اور وہ قتل کی وجہ کیوں
چھپانا چاہتا تھا؟ کچھ بھی ہو... پہیے کا برسٹ ہو جانا اس کے کام بھی آیا۔ کہانی تراشنے میں دیر
نہیں گئی تھی۔ وہ دراصل اس پر اسرار آدمی کے معاملے میں محتاط رہنا چاہتا تھا۔
اسی لئے اسکی کہانی تراشی تھی کہ اس کا حوالہ نہ دینا پڑے...!

O

دوسری رات صدر نے اپنی غلک میں کہرے کا تعاقب شروع کیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ
میک اپ میں بھی پہچانا چاہکا ہے لیکن فی الحال وہ لوگ اسے زندہ ہی رکھنا چاہتے ہیں اگر یہ بات نہ
ہوتی تو اسے سچھلی رات دلدل میں پھیکنے کی بجائے کسی اندر ہے تو کسی میں دھیل دیا گیا ہوتا...!
کہڑا ایک گھنیا سے شراب خانے میں داخل ہوا صدر نے سوچا پھر شامت آگئی۔ اور کچھ
دنوں تک انگون کی گولیوں سے شوق کرنا پڑا تھا اور آج... پہنچیں کیا گت بنے۔

وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ لیکن یہاں خالی بیٹھنا تو کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتا۔ لہذا مجبوراً
کہرے کے قریب ہی کی ایک میز پر قبضہ کر کے اسے بیڑ کی بوٹی کلب کرنی پڑی۔
کہڑا اپنی میز پر تھا تھا... اس نے معمولی ہی قسم کی شراب طلب کی تھی۔ اس کا طبلہ تو
معمولی سے بھی کترن تھا اس لیے وہ اعلیٰ قسم کی شراب کیسے خریدتا۔ پھٹا پرانا کوٹ تھا جس کا پروار
نامکوں میں ملکجی سی پتوں جو عول رہی تھی گلے میں ہائی بھی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ
سچھلی کئی پتوں سے صحیح و سلامت گزرنے کے بعد کہرے تک پہنچی ہو۔

کہرے نے دو چار گلاس پے در پے چڑھائے اور موج میں آکر بہ آواز بلند گانے لگا۔

جب میں نے لپی کر چھلکائی۔ بادل ناچے جھوم کے

موی نے محفل مہنگائی

آلے گو بھی کی بن آئی

لال ٹماڑ... لال ٹماڑ... تاک دھنادھن گھوم کے

بڑھ کے پیٹا... بڑھ کے پیٹا... ہائے ہائے

ایک گوشے سے ایک پہلوان تاہپ کاغذہ گھونڈتا نے آہتہ آہتہ اس کی طرف بڑھنے
لگا۔ شاید وہ بھی نئے میں تھا۔ چلنے کے انداز سے سہی معلوم ہوتا تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ

اس کے ہاتھ پر قابو میں نہیں ہیں۔ کبڑا بے خبری میں کاتا ہی رہا اور غنڈہ اس کے سر پر بیٹھ گیا۔ پشت پر تھا اس لیے کبڑا اب بھی بے خبری رہا۔

وفلا غنڈے نے اس کے کوبڑ پر اس زور کا ہاتھ در سید کیا کہ فلت بیٹھانی کے لیے سرک آئی۔ آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی اور وہ اس طرح سست کیا جیسے کوئی موی مجسمہ دباؤ پر کچک گیا ہو۔

غنڈہ دھاڑا۔ ”ابے یہ کوئی بھیار خانہ ہے... کیوں؟“

کبڑے نے آہستہ آہستہ گرد انٹھائی۔ اور پھر وہ کوئی سالخور دہ سار اس ہی معلوم ہونے لگ۔ لیکن وہ سامنے خلامیں گھورے جا رہا تھا اس طرح کہ پتیلیاں بھی جنیش نہیں کر رہی تھیں۔ بلکہ جمپکا کتاب تو دوڑ کی بلت ہے۔

غنڈہ بڑا ہوا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ صدر کھڑے ہی کو گھورے چڑھا تھا۔ یک بیک وہ اچل کر کھڑا ہو گیا اور کاؤنٹر کی طرف ہر کوئی آواز میں چینا۔ ”کون تھا۔ اب سامنے آئے۔ مابدلت دا ہیں آگئے ہیں۔ ہمگ دی گریخت۔“

آس پاس کی میزوں سے قلعہ بند ہوئے۔ لیکن کبڑا اسی انداز میں تنا کھڑا ہوا۔ جسم میں اس طرح زبردستی تاو پیدا کرنے کی بات پر کبڑا پہلے سے بھی زیادہ محکم خیز نظر آنے لگتا۔

وہ غنڈہ بھی اس کا حلیہ دیکھ کر ہنس پڑا۔ پھر ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”بیٹھ اونچے خڑیوں کے تو خم!“

”نہیں... او...“ ہمگ فٹاٹاٹا اندرا میں ہاتھوں کو جنیش دی۔

کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے غنڈے کو دوسرا طرف جات کاٹا۔ کھانا کیا اور وہ جنتا ہوا ایک دووازے میں داخل ہو گیا۔

کبڑا اب کاؤنٹر والے کو گھور رہا تھا۔ وफلا اس نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ ”میرے غلاموں اونچے پیچانا سکو! میرے قہر سے دو دو اتم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ ساری دنیا کا شہنشاہ ہمگ دی گریت! اسکندر وہ اکبر آئی جمعتے تو میرے قدموں میں سر جھکا دیتے۔ مجھے پیچاؤ... مجھے پیچاؤ... ورنہ کسی دن یہ زمین جہنم کھلانے گی...“

”پاگل ہے۔ پاگل ہے۔ جانے نہ پائے!“ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں اور دیر تک قلعہ کو بجھتے رہے لیکن وہ اسی انداز میں کھڑا ہمارت سے دوسروں کو دیکھتا رہا جیسے وفاں کے لئے

”زندہ باد“ کے نظرے لگا رہے ہوں اور وہ خود منتظر ہو کہ ان جھالت ماؤں کا شور کم ہو تو دوبارہ تقریب شروع کرے۔

وختا کسی نے اس کے چہرے پر کوئی سیال چیز بھیک ماری اور وہ بوکھلا کر چیخپے ہنا تو کمری کے پائے سے الجھ کر لا کھڑا تاہوا ذمیر ہو گیا۔

”تم سب اندھے ہو!“ وہ فرش سے اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا دہاز ”محکتو گے! سڑکوں پر بلبلاتے پھر دے گے.... جانے پناہ نہ ملے گی.... ایڑیاں رگڑ کر مرو گے۔“

”مارو۔ مارو۔ منہوس کو۔“ کئی آوازیں آئیں... اور کچھ لوگ اٹھے بھی اپنی بجھوں سے۔ اتنے میں صدر کہڑے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے اسے سہاد اسے کر اٹھلیا۔

”ترافق۔“ کہڑے کے سر پر ایک ہاتھ پڑا اور وہ اچل کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ لوگوں نے انہیں گھیر لیا تھا۔ تقریباً آٹھ دس آدمی رہے ہوں گے لہذا اندازہ کرنا دشوار تھا کہ اس بار کس نے ہاتھ رسید کیا ہو گا۔

پھر صدر اسے شراب خانے سے لے ہی تھا.... ورنہ شاید اس کے ہاتھ پر سلامت نہ رہتے۔ قریب عی ایک پیلک پارک تھا۔ وہ اسے دہاں لے آیا۔

”میں ق کہتا ہوں۔“ ہمگ بڑی اسارت ہا تھا۔ ”وہ کچھوں سے بھی زیادہ خیر ہیں۔ ضرور بھتیں گے۔ مابدولت کی توہین بڑی مہنگی پڑے گی!“

پھر چونک کر صدر کو گھورنے لگا یہاں اتنی روشنی تھی کہ وہ ایک دسرے کو ہجوبی دیکھ سکتے تھے۔ ”دنیا کا جو ملک چاہوں گیک لو۔“ ہمگ نے کہا۔ ”یلاعذر بخش دوں گا۔“

”تم مجھے صرف ڈرائیور گ لائسنس دلوادو۔“ صدر نے مکمل اکر کہا۔ ”حیرت ہے کہ ہمگ دی گریٹ نے مجھے ابھی تک نہیں بچھا تا۔“

”آہ۔ ہم شاید وچھلے سال مکھولیاں تھے۔“ ہمگ نے جلدی سے کہا۔ ”یہ کچھل رات کی بات ہے.... خندی دلدل مجھے کبھی نہ بھولے گی۔“

”آہ۔ تو تم وہ ہو!“ ہمگ نے تحریر انداز میں ٹکلکی بچپکا گئی۔ ”تم وہ نہیں ہو سکتے۔“ ”میں میک اپ میں تھا۔“

”ہا میں۔ میک اپ میں۔ مگر کیوں؟“

”اُسی طرح فکر کھیلتا ہوں۔“

”اُکیلے ہی ہو۔“ ہمگ نے پوچھا اور صدر نے سوچا خوب موقع ہاتھ آیا ہے اس طرح شاید وہ اسے اپنے اختاد میں لے سکے۔

”ریاست کے بیوں کی طرح۔“ صدر نے جواب دیا۔ ”جی یاد نہیں آتا کہ کبھی میری تہائی رفع ہوئی ہو۔“

”سب تو تم بھی میری ہی طرح لا جلوب ہو۔“ ہاں باپ بھی تھے کبھی تمہارے۔“

”ماں باپ کیوں نہ ہوتے۔“ صدر نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”اے اپنا الجہ ٹھیک کرو۔“ ہمگ تکہمانہ انداز میں بولا۔ ”تمہیں پھر مجھ پر غصہ آ رہا ہے۔“

”او..... ہاہ۔“ صدر نہیں پڑا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں جہاں پناہ۔“

”ٹھیک ہے۔“ ہمگ کراہا۔ ”دراہوں لے ہوئے میری کرتو دباؤ..... کسی دن یہ کجھت مجھے مار ہی ڈالیں گے لور یخ روئیں کے۔ سر ٹھیلیں کے لیکن پھر میں انھیں نہیں ملوں گا۔“

”درست فرمایا۔ عالی جاہ.....!“

ہمگ ٹھنڈی گھاس پر اوندھا لیٹ گیا اور صدر اس کی کردبار نے لگک

”گھاس تو برف ہو رہی ہو گی جہاں پناہ.....!“

”نہیں۔ میں ایک باقبال آدمی ہوں..... یہ گھاس پیشئے کی طرح گرم ہے۔“

”تواب میرے لیے کیا حکم ہوتا ہے عالی جاہ.....!“

”ٹھوکریں کھاتے پھر د..... تپائے بغیر سونے پر نکھار نہیں آتا۔“

”توہ..... تو آپ یہی عالیٰ نظر تھی پھر رہے ہیں۔“

”میں ایسا سوٹا ہوں جسے لوگ منی سمجھتے ہیں۔ بس کرو۔ اب میں آٹھوں گا۔“

صدر الگ ہٹ گیا۔ ہمگ نے بیٹھ کر سکریٹ سکائی اور ہلکے ہلکے لش لینے لگا۔ پھر بولا۔

”اس شہر میں آئے ہوئے فیزادہ دن نہیں گزارے لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ساری زندگی سینیں گذر رہی جوا۔“

”پہلے آپ کہاں تھے.....؟“

”اُسی زمین پر۔“ ہمگ انتہا ہوا بولا۔ ”ٹھو۔ ٹھیلیں گے.....!“

صفدر بھی انھوں گیا۔ ہمگ کاچھہ بالکل سپاٹ نظر آ رہا تھا جذبات ہے عادی۔ وہ ٹھلتے ہوئے پارک کے ایک ایسے گوشے کی طرف آ لکے جو تاریک تھا۔
 ”میں تمہیں اپنا وزیر اعظم بناؤں گا۔“ ہمگ نے کہا۔ ”تمہرو... وہ دیکھو... آسمان پر سامنے سب سے زیادہ چکنے والے ستازے کے قریب۔“
 صدر رک گیا۔ ہمگ کا ہاتھ شامل کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ صدر نے نظر اٹھائی۔
 ”کہاں...؟“ اس نے بھراں ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔ جواب تھا... ”چھپاں!“
 ”ارغے... غرج...!“ صدر خشنے پانی میں غوط کھا گیا پھر ابھر اور حلق چڑا چھاڑ کر ہمگ کو گالیاں دینے لگا۔

اب اسے یاد آیا کہ پارک کے اس حصے میں ایک بڑا ساحر بھی تھا۔
 ”دیکھو دیکھو۔“ ہمگ کی آواز آئی۔ ”تمہیں پھر غصہ آگیا ہے مجھ پر۔“
 ”تمہر تو... تیری ایسی کی تھی۔“ صدر پانی پر ہاتھ مارتا ہوا تاریک کنارے کی طرف چھپتا۔
 لیکن اس بار ہمگ کی آوازنہ سنائی دی۔

بدقت تمام وہ اور پچھلے سردی سے دانت بخت لگے تھے۔ ہمگ کا دور ذور تک پتہ نہیں تھا۔

O

اب بیک زیر کو چکر پر چکر آرے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ معاملات کو کس طرح ہینڈل کرے۔ چار ماہ قبل عمران کو کسی ایسے کبڑے کی تلاش تھی جس کے باسیں گالی پر ابھر اہواساں تھیں تھے۔

وہ خود بھی تلاش کرتا رہا تھا۔ پھر یہ معاملہ صدر اور خاور تک بڑھا دیا گیا تھا۔ وہ شہر میں اسے تلاش کیا کرتے تھے۔ وہ ملتواس کی گجرانی شروع کرائی۔ لیکن مقصد بیک زیر کو بھی نہیں معلوم ہوا کا تھا۔ پھر اچاک ایک نئی افتاد پڑی یعنی سر پھٹا کیا والا معاملہ....!

عمران سے احکامات لے کر تو وہ خود کو ایک ٹوپوز کر سکتا تھا لیکن خود اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی مرضی سے کسی کیس کو ہینڈل کر سکتا۔ جب تک اسے شبہ رہا کہ عمران کا یادداشت کھو بیٹھنا بھی اسکیم ہی میں شامل ہو سکتا ہے اس وقت تک وہ صدر اور خاور کی رہنمائی کرتا رہا لیکن جب عمران کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو اسے محاط ہو جانا پڑا۔ توقع تھی کہ عمران اسے صحیح

حالات سے ضرور آکا کرے گا۔ کتنا بھی چاہئے تھا کہوںکہ اس کی عدم موجودگی میں بیک ذیر و عین ایکس فرائض انجام دیتا تھا۔

ابعد عمران کی طرف سے کوئی پیغام نہ ٹھپ پا اس نے سوچا مکن ہے اکابر یہ حضرت آئی کئے ہوں گے پھر میں۔ یعنی پاکل ہٹن جھٹن ہو.... اور پھر کیا والا حدث اتفاق ہوا! رحمان صاحب کے نبیروں پر رنگ بھی نہیں کر سکا تھا لیکن آدم بہادر کو تمی کے بعد خود کا نکے تھے لیکن عمران کی جملہ نہیں دکھائی دی تھی جزو فہمی شاید ان الاتھات میں کہنی چاہو اگھدار ہاتھا ورنہ اس سے بھی پوچھ بکھوڑ کر فی لیٹھ ویسے دوسرے درائے اسے دی الاتھات میں جس جن کا علم عمران سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو تھا...!

بہت بڑا الجھاد تھا اس کے سامنے اپنی فرماداری پر کھڑا اسی وقت کرتا جب حالات سے پوری طرح باخبر ہوتا۔ کہاڑے ہی کا محاںہ سلسلہ تھا لیکن وہ اس کی اہمیت سے واقف نہیں تھا۔ یہ کہ نہیں جانتا تھا کہ عمران کو اس کی خلاش کیوں تھی؟

پھر ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا چاہو تو تھا کہ دو صدر کی رپورٹیں شیپ ریکارڈر پر ریکارڈ کرنا جائے خاصو شی سے۔ اس کے کسی سوال کا جواب دیجئے بغیر۔ یہ جب بھی ایکس نو کے پرائیویٹ فون کی کھنچی بھتی وہ دم بخوردہ جاتا۔ کال کا جواب تک نہ دیتا۔ یہ فون کھڑا اسی حتم کا تھا۔ اگر ایکس نو موجود نہ ہوتا تو آؤ ھے منہ بیدا اس کا سلسلہ شیپ ریکارڈر سے مل جاتا اور رنگ کرنے والے کو آوازاں نہیں دیتی۔ "ٹیزیز ڈلیٹ" اور وہ اپنا پیغام ڈلکھیت کر دیتا۔....!

اس وقت بھی پچھے ہی دیر پہلے فون کی کھنچی بھی تھی اور کسی نے پیغام ریکارڈ کر لیا تھا۔ شیپ ریکارڈر کی سبز روشنی غائب ہو چکی تھی۔ بیک ذیر و اس کا سوچ دوبارہ آن کر کے پیغام سننے لگا۔ "صدر اسٹینک سر!! بھی ملک مجھے کہاڑے کے متعلق ہر یہ پہلیات نہیں ملی۔ کھلی رات اس بنے ڈکی کے شراب خانے میں ہنگامہ برپا کر لیا تھا۔ اب میں کھل کر اس کے سامنے آگیا ہوں۔ بھیتیت صدر بھی اور اسے بتا دیا ہے کہ موبائل کے میک اپ میں بھی میں ہی اس سے ملا تھا۔ دیکھنے یہ میری اسکم ہے۔ وہ دو اصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میری پشت پر کون ہے اور میں اسے اس وقت تک الجھائے رکھنا چاہتا ہوں جب تک کہ آپ کی طرف سے واضح ترین احکامات نہ

مل جائیں۔ میں اسے بتا دوں گا کہ میں اسے موئی مرغی سمجھے کر اس کا تعاقب کرتا رہتا تھا۔ کبھی اصلی محل میں اور کبھی موبی کی حیثیت سے جو کچھ میں اسے ابھی تک سمجھا ہوں..... وہی اس پر ظاہر کر کر دوں گا.... میری دانست میں وہ کوئی بہت بڑا سکر ہے..... میں اس سے کہوں گا کہ میں دراصل ایک بلیک سملہ ہوں لوگوں کے راز معلوم کر کے انہیں بلیک میں کرتا ہوں لیکن اس سے مروعہ ہو گیا ہوں یا پھر دوسری صورت یہ ہو گی کہ میں اسے بلیک میں ہی کرتا شروع کر دوں۔ بہر حال اب میں آپ کے احکام کے بغیر نیا قدم نہیں اٹھا دیں گا۔ برلو کرم اخمن چارچھ پروگ کر کے مجھے اپنے جواب سے جلد مطلع کیجئے گا.... مجھل رات اس نے مجھے منشوپارک کے حوض میں دھکیل کر دناغ شندار کرنے کی تلقین کی تھی.... اور ایڈ آں.....!

بلیک زیر دنے کو میں سانس لی اور شیپ ریکارڈر بند کر دیا۔

”بہت بڑھ گیا ہے۔ احمد کہیں کا۔“ وہ بر اسامنہ بنا کر بڑھ دیا۔

پھر اس نے صدر کے بتائے ہوئے نمبر پر رنگ کیا دوسری طرف سے فوراً اسی جواب ملا۔ بلیک زیر دنے ایکس ٹوکی سی آواز میں کہد ”پیغام مل گیا! تم کہھے ہو! صدر کی حیثیت میں سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”وہ.... وہ.... دیکھنے جتاب!“ صدر ہکلایا۔

”کچھ نہیں! یہ حماقت تھی! اب تم فی الحال اس کے سامنے آنے سے گریز کرو۔ گوشہ نشینی ہی بہتر ہے گی۔ تاؤ قیکید دوسرے احکامات نہ ملیں تم باہر نہیں نکلو گے۔“

”اوے سر!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور بلیک زیر دنے سلسلہ منقطع کر دیا۔....!

O

رحمان صاحب اس وقت گویا خود بھی پاگل ہو کئے تھے۔ سارا گمراہ تم کہہ ہیا ہوا تھا۔ روئے کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔

ہوا یہ کہ نمیک نوبیے رات کو عمران نے جو کمرے میں بند تھا جنبا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے شیا ہی وہاں پہنچی تھی اور پھر رحمان صاحب کے علاوہ۔ بھی کمرے کے سامنے نظر آئے۔....!

عمران کھڑکی کی سلانہ نیم پکڑے کہہ رہا تھا۔ ”ارے ظالمو.... یہ اپتال ہے میاگل خان....

نکلو مجھے اس کمرے سے.... دروازہ کھولو.... کیا میں پاگل ہوں.... اے معزز خاتون....!

وہ ملائی بی کی طرف ہاتھ اٹھا کر خاموش ہو گیا۔ پھر بھر لئی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم سیڑن
نہیں ہو۔۔۔ اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا۔۔۔ لیکن میں تمہارے چھرے پر مانتا کا اور دیکھ رہا ہوں تم
کسی نہ کسی کی ملی ضرور ہو گی۔۔۔ کیا تمہارے کوئی بیٹا نہیں۔۔۔ نہیں تمہارے چھرے پر مانتا کا
نور ہے۔۔۔ اولاد مولیٰ ہو۔۔۔ میرے دنیا میں اکمل ہوں بالا لکل اکمل ہوں۔۔۔“
آوازِ حق میں پہنچ گئی مدد خاموشی ہو گیا۔۔۔ آنکھوں میں امتنانے والے آنسو کا لون پر
بہہ آتے۔۔۔ اور اس نے رت میں ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں رورہا ہوں۔۔۔ خاک پر پڑا ہوا بلکہ رہا
ہوں۔۔۔ مجھے اخالوں اس۔۔۔ مجھے اخالوں میں۔۔۔؟“
لماں بی پھوٹ پڑیں۔۔۔ ان کے روپ کی آولاد بلند ہوئی ہی تھی کہ لاکھوں نے بھی بلکہ
شروع کر دیا۔

رحمان صاحب کہیں جانے کے لیے بجلت خیالی کر رہے تھے یہ غل غپاڑہ ان کی کافیں
میں بھی پڑا اور وہ جیستے ہوئے دہاں پہنچا۔ اب تمہراں بھی دہاڑیں ماردا کو رورہا تھا۔
”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ رحمان صاحب دانت چین کر گر بجے۔
”بس چلے ہی جاؤ اس وقت جاؤ۔“ یہ گم صاحب روتی ہوئی بیٹا کیں اولاد رحمان صاحب کو جیسے
سانپ سو گھنے گیا۔ کوئکہ یہ گم صاحب جب بھی بے نیام ہوتی تھیں وہ خاموشی ہی ہو جاتے تھے۔
”لاو۔۔۔ نکلو۔۔۔ کنجی۔۔۔ کھولو دروازہ۔“ یہ گم صاحب کی آولاد بلند ہی رہی۔
رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔ عمران کی ایک کزن جو رحمان صاحب کو دیکھتے ہی خاموش ہو
گئی تھی۔۔۔ ان کے اشارے پر آگے بڑھ آئی۔۔۔ وہ اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے آہستہ
سے بولے۔ ”کیا بات ہے۔۔۔ کیا اس نے کسی کو پچان لایا ہے۔“
”جج۔۔۔ جی۔۔۔ نن نہیں!“ وہ مکلائی۔ ”آنٹی کوماں تو کہہ رہے ہیں۔۔۔ لیکن یونہی۔۔۔
مطلوب یہ کہ مجھے بینا ہاں۔“

”اوہ بکواس!“ رحمان صاحب دانت چینی گروہ گئے۔۔۔ چند لمحے خاموش کھڑے رہے اور پھر
عمران کے کمرے کی طرف پلٹت آئے۔

”سنوا!“ انہوں نے اپنی آواز میں سکھوں کو مخاطب کیا۔ ”تم سب اپنے کردوں میں جاؤ۔“
”ہائے آکیا جلا دو اکٹھ۔“ عمران روتا ہوا کر لہ۔ ”بکواس بھد کر دو۔“ رحمان صاحب پہنچنے۔

پھر انہوں نے دوسروں کو خاطب کر کے کہا۔ ”ہوش میں رہو تم لوگ پاگل نہ ہو! میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔“

انہوں نے خاموش ہو کر کلائی کی گھری دیکھی اور صرف بیگم صاحبہ سے نرم لمحہ میں بولے۔ ”آپ جو کچھ کرنا چاہتی ہیں وہ اس کے لیے بھی متھے۔... تاد قیکہ ہم میں سے کسی کو پیچان نہ لے۔... باہر نکالنا خطرے سے خالی نہیں۔ دیکھئے اگر آپ اس کی زندگی ہون کی خواہاں نہ ہوں تو۔... یہ رعنی کتنی...!“

انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالاہی تھا کہ بیگم صاحبہ دوسری طرف مرتی ہوئی بولیں۔ ”میں کچھ نہیں جانتی!“ اور آگے کے بڑا گھنیں۔ غالباً اتنا تو وہ خود بھی سمجھتی تھیں جو کچھ رحمان صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”ہائے۔ اس رحم دل عورت کو بھی بہکا دیں۔“ عمران نے گلوکیر آواز میں پھکی لی اور کھٹاک سے کھڑکی بند کر دی۔ کمرے کے اندر سے اس کی بڑی بہت سنائی دیتی رہی۔

پھر رحمان صاحب نے نرم ہی لمحہ میں لڑکوں سے بھی کہا تھا کہ وہ اپنے کروں میں جائیں۔ لہذا لڑکوں کو بھی کھکھای پڑا۔... ویسے شیا تو سوچی پیشی تھی اگر ایشخوتو آج میں بھی لڑکی جاؤں گی خواہ کچھ ہو۔

رحمان صاحب کے چلے جانے پر اس کی ایک کزن بھلی۔ ”کیوں۔... اکل۔....!“

”ہاں۔... نرم لمحہ میں گفتگو کر گئے۔“ شیانے طوریہ لمحہ میں کہا۔ ”قسمیں بدل گئیں جمارے دن پھر گئے۔...!“

”سمجھ میں نہیں آتا۔...“

”ارے۔... جلدی میں تھے۔...“ شیا آنکھیں خال کر بولی۔ ”مور کیا۔... سوچا۔... تالو کسی طرح پچھا چھڑا و ان کم بخنوں سے۔... ورنہ پتھر میں بھی کہیں جو کم لگتی ہے۔“

O

رحمان صاحب کی بھی سی یوک چانک سے گزر گئی۔ ان کے ساتھ وہی دونوں غیر ملکی سہماں بھی تھے جن کا قیام آوت ہاؤز میں تھا۔

”بڑا شور ہو رہا تھا مسٹر رحمان۔ کیا بات تھی۔“ ایک نے انگریزی میں پوچھا۔

"بھتی۔ سہر الٹا کا۔!"

"مودہ کی بیانات تھی؟ آپ اسے سو شتر لینٹ لے جائیجے۔"

"ہاں سچوں پر ہاں ہوں۔"

"کسی نہ ہر سائیکل ایمیٹس سے بھی مشدہ ٹھیجے۔" وہ سراں بولے۔

"میرا ایک دوست غنقریب امریکہ سے آئنے والا ہے وہ بھافی ہماراں کا اکٹھتھا ہے۔"

پھر خاموشی چھاگئی۔

کچھ دیر بعد گازی سترل جمل کے چانک میں داخل ہو دی گئی تھی۔

پھر وہ ایک جگہ رک ہی گئی۔ رحمان صاحب خود عیڈ رائے کر رہے تھے.... حالانکہ گازی

ڈرائیور کرتا بھی ان کے اصول کے خلاف ہتا تھا۔

جبل کے آفسر شاید پہلے ہی نے ہلن کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ رحمان صاحب بیچے

اتر گئے۔ لیکن ان کے غیر ملکی مہمان گازی عیاشی میشے رہے۔

پھر رحمان صاحب دوسرے آفسروں کی معیت میں ایک جلاس پرانہ ہو گئے۔ کچھ دور جل

کر دے پھر دے کے... یہاں دو سلیک پاہی ایک بند دروازے کے سامنے پھر دے رہے تھے۔ دروازہ

سلاخوں دار نہیں تھا۔ ایک آفسر نے آگے بڑھ کر قفل کھولا اور دو آدمی اندر چلے گئے۔ رحمان

صاحب باہر ہی ٹھہرے تھے۔

کچھ دیر بعد دو نوں آفسروں والیں آئے۔ لیکن ان کے درمیان ایک تیسرا آدمی بھی موجود تھا۔

ٹکٹکتھا جال اور بدوضع آدمی۔ جسم پر جبل کے کپڑے تو نہیں تھے لیکن بال بے تھا شہر بڑھے

ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اسی کو ٹھہری میں کوئی طویل بہت گزاری ہو۔

اس کے ہاتھوں میں چھکڑیاں تھیں۔

سلیک پاہی اس کے دائیں جائیں جل رہے تھے۔ رحمان صاحب کی گازی کے قریب بھی کر

وہ اور ہر ہٹ گئے۔ دو نوں غیر ملکیوں میں سے ایک بھی نہیں اڑ آیا تھا۔ قیدی کے لیے بھیلی سیٹ

کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھا ہوا تیسرا غیر ملکی دوسرے سرے پر کمک گیا۔ قیدی گازی میں بیٹھ

گیا۔ اس طرح کہ دو نوں غیر ملکیوں کے درمیان رہے۔ رحمان صاحب نے پھر اسٹریگ سنبھال

بلے۔ کچھ دیر بعد گازی جبل کے چانک سے باہر نکل رہی تھی۔

غیر ملکیوں میں سے ایک ریڈیمڈائل والی رست و لیچ پر نظر جائے ہوئے بولا۔

”سائز میں دس بیجے ہیں مسٹر رحمان۔“

”فکر نہ کیجئے۔ ہم پدرہ منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔“ رحمان صاحب نے جواب دیا۔

قیدی سر جملکے خاموش بیٹھا تھا دیک بیک دوسرا ہے غیر ملکی نے جیب سے روپالور کالا اور

رحمان صاحب کی گذاری پر رکھتا ہوا بولا۔ ”یائیں موڑو....؟“

”کیا مطلب....؟“

”مگر دون پر روپالور کی نال ہے مسٹر رحمان۔“ غیر ملکی نے نرم لمحے میں کہا۔

”اوہ....“ رحمان صاحب نے طویل سانس لی۔ ”دھوکا۔“

”پروانہ مت کرو۔ درندھو کے ہی میں جان بھی جائے گی.... موڑو یائیں جاتب مورڑو....“

”درندھو کوئی حق سے دوسرا طرف نکل جائے گی۔“

رحمان صاحب نے گاڑی یائیں جاتب مورڑو۔ اب وہ بڑی بھجن میں پڑ گئے تھے یہ کیس ایسا

ہی تھا کہ حالات بگز نے پرانا کاؤنڈر خطرے میں پڑ جاتا۔

لیکن اب چارہ ہی کیا تھا۔ وہ سوچتے رہے اور گاڑی سنان سڑک پر فرانے بھرتی رہی۔

خستے کے مارے بر احال تھا۔ مگر وہ احمد بھی نہیں تھے۔ ایسے حالات میں ہاتھ ہی بلانا

خود کشی کے مترادف ہوتا۔... روپالور کی ٹھنڈی نال بدستور گردن سے چکلی رہی۔

”اچھی بات ہے۔“ کچھ دیر بعد رحمان صاحب نے سرد لمحے میں کہا۔ ”تم جیت گئے؟ لیکن

مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“

”اچھی ہم پوری طرح نہیں جیتے مسٹر رحمان!“ دوسرا غیر ملکی بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔

رحمان صاحب کا وہ جملہ محض زبان ہلانے کی حد تک نہیں تھا۔ انہوں نے گاڑی کی رفتار کم

کر دی۔

”یہ کیا کر رہے ہو۔“ روپالور والا غریلا۔

”دیکھنا چاہتا ہوں کہ روپالور کی گوئی حق سے کیسے گزارتی ہے۔“ رحمان صاحب نے بلکہ

سے تھقہ کے ساتھ کہا۔

انہوں نے گاڑی روک دی۔... اب وہ دراصل یہ چاہتے تھے کہ خود ہی گاڑی نہ ڈرائیور

کریں۔ مقدمہ حاصل ہو گیا۔ وہ بھی قیدی کے پاس بخاد بیجے بگئے اور دوسرے غیر ملکی نے اسٹریک سنبھالا۔

اس وقت دوسرے غیر ملکی نے کہا۔ ”یہ مت سمجھنا مسٹر رحمان کہ ہم لوگوں بیسی کام ہے مطمئن ہو جائیں گے۔ اس لئے جملدار ہو۔۔۔ ہمیں اس کی قسمی پروانہتہ ہو گی کہ تمہاری بے وقت ہوتے ہے جو اکام اور سورج ہو جائے گا۔“

رحمان صاحب نے طویل سائز لی۔ تو آخری کارڈ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اسی کے مل بوتے پر انہوں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اسی لئے چاہا تھا کہ خود انہیں ہی اڑائیں گے۔ کہ فرنی پرے گازی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ کچھ دیر بعد رحمان صاحب نے حسوس کیا کہ وہ کسی کچے راستے پر جل رہی ہے۔۔۔ اور پھر رکھنے کی تھی۔

چاروں طرف اندر چراحتا۔۔۔ ان سے اتر نے کو کھا گیا۔ قیدی اب بھی خاموش تھا۔ اسی معلوم ہوا تھا جیسے وہ کوئا ہو یا ہر قسم کا احساس ہی فنا کر دیجتا ہو۔

وہ اتر گئے۔ ریا اور والا۔۔۔ ان دونوں کو کوئے رہا اور دوسرے اس چھوٹی کی مددست کی طرف بڑھ گیا، جس کے آپنے اندر میرے میں بھی نظر آ رہے تھے۔

غالباً وہ دروازہ ہی پیشے کی آواز تھی جس پر دوسرے غیر ملکی نے کھک کر بولا تھا۔ ”آئے گے یو ہو۔“ اس نے ایکی چھوٹی سی تاریق بھی روشن کر لی تھی اور دونوں سے تقریباً چار قدم کے قابل پر جل رہا تھا۔ رحمان صاحب سوچ رہے تھے کہ اب خاموشی سے نئے واقعہت ہی کا خطر رہتا چاہتے۔ ان سے سب سے بڑی حماقت یہ سرزد ہوئی تھی کہ رواگی کے وقت اعشاریہ پانچ کا وہ پیسوں بھی ساتھ نہیں لائے تھے جو عموماً ان کی جیب ہی میں پڑا رہتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے برآمدے میں رکے۔ ہمارت ہفتہ حالت حال تھی اور اس میں شاید مشکل ہی سے تم کمرے رہے ہوں۔ دوسرے غیر ملکی اب بھی دروازہ پیشے چاہرہ تھا۔

”کون ہے؟“ آخر کار اندر سے بھر لی ہوئی سی آواز آئی۔

”دروازہ کھولو۔“ غیر ملکی نے انگریزی میں لکھا۔

”اوہ۔“ اندر سے کراہ سنائی دی اور پھر کھا گیا۔ ”بائے ظالموا تم مجھے زندہ بھی رہنے دے کے یا نہیں آتا تو زخم د کرو۔“

”کھولو... نہیں تو توڑتے ہیں دروازہ“۔
”ہائے“ کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ چڑھایا اور دونوں پاٹ کھل گئے۔

اندر کیروں میں لیپ کی روشنی میں رحمان صاحب کو ایک ٹکڑتہ حال کبڑا آدمی نظر آیا۔ جس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اس نے حق سے ذریعی آوازیں کھالیں۔ غیر ملکی اسے پہچپے دھکیلتا ہوا آگے بڑھا اور یہ سب بھی اندر داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔

”مگر ہو...“ کبڑا کا پتہ ہوا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے پہچانو...“ مجھ سے ڈرد میں ساری دنیا کا شہنشاہ ہوں...“ بھیگ دی گئی۔

غیر ملکی نے اس کے سر پر دھپ رسید کیا اور وہ اس طرح جیج کو اچھل پڑا جیسے کسی منڈل ہوتے ہوئے رخ پر چوت گئی ہو۔ وہ دوسرے کترے میں آئے۔ کھڑے کا گریبان غیر ملکی کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اسے گھستھا ہوا جمل رہا تھا۔

”ہاں اب ہمارا مسٹر رحمان!“ روپالور والے نے کہا۔ ”اس قیدی کے متعلق کاغذات کہاں ہیں؟ صرف جگہ تادو۔ ہم حاصل کر لیں گے اور تم اس وقت تک ہماری قید میں رہو گے۔“

”کیون شامت آئی ہے۔“ رحمان صاحب دانت میں کربولے۔ ”لارے تو مجھے کیوں مددے ڈال رہے ہو؟“ کبڑا گریبان چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا اگڑا گیا۔

”خاموش رہو...“ اس نے اس زور کا جھٹکا دیا کہ کبڑا دروازے کے قریب جا پڑا اور روپالور والے نے کہا۔ ”خبردار اے کوڑہ پشت۔ اگر تم نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو گوئی مار دوں گا۔“

”خبردار...“ کبڑا تن کر کھڑا ہوا بول۔ ”کوڑہ پشت نہیں! بھیگ دی گئی کہا۔ مجھے پہچانو... میرا احترام کرو۔ درد نہ غارت کر دوں گا۔“

کبڑے کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اچانک کوئی وزنی چیز بڑی قوت سے اس کے سر پر پڑی اور وہ ”ارے ارے“ کہتا ہوا اونٹھے منہ ڈھیر ہو گیا۔ دونوں غیر ملکی اچھل پڑے... کبڑا دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا بھر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ غالباً سر کی چوت بے ہوش کر دینے کے لیے کافی ثابت ہوئی تھی۔

پھر یک بیک دوسری جیج بھی سنائی دی اور ایک آدمی بے ہوش کھڑے پر آگا۔ یہ سب اتنی

برق رفتاری سے ہوا کہ کسی کی سمجھ میں پچھے آئی نہ سک۔ دوسرا آدمی بھی ایسے ہی انداز میں گرا تھا جیسے بے ہوش ہو گیا ہو۔ اس کا سر بازو دوں میں چھپا ہوا تھا۔

غیر ملکیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر متبرہانہ انداز میں پکشیں چھپا کیں۔

پھر ریو اور والا "خیردار.... خیردار.... گولی مار دوں گا" کہتا ہوا دوسرے کی طرف بڑھا۔ اور پھر دوسرا اتنی کھلیل شروع ہو گیا۔ ... کہنے پڑے ہوئے آدمی کی ایک ٹانگ میں جبکش ہوئی تھی۔ بس پھر وہ ریو اور والے کی ٹانگوں کے درمیان نظر آئی۔ اور وہ ڈیمپر ہو گیا۔ اور ہر بے ہوش آدمی کی سانپ بھی کی طرح پلٹ کر اس پر سوار ہو گیا تھا۔ اس بارہ رحمان صاحب نے بھی اس کے چہرے کی ایک ٹانگ دیکھی تھی۔

"اوہ....!" ان کے حلق سے بے اختیار لکھا اور وہ دوسرے غیر ملکی پر توٹ پڑے۔ وہ لڑائی میں ضرور تھے لیکن کمزور نہیں۔ اس عمر میں بھی کم از کم تین آدمیوں سے قونپٹ ملکیت کرنے تھے۔

ادھر بے ہوش آدمی نے اپنے چکار سے ریو اور جھین لیا اور اسے چھوڑ کر ہتا ہوا بیوال۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ....!"

لیکن وہ بھی شاید پاگل ہی ہو گیا تھا اس کی پروار کیے بغیر کوئی جانشی کے ہاتھ میں ریو اور ہے اس سے پست پڑا۔

"عمران! ہوشیاری سے۔" رحمان صاحب نے آواز دی۔

"عمران نہیں! پر دو یوں سر ڈاٹ رکھنا دا ان۔ یہ ہے نچپول ایمنگن سلام الکرم....!" عمران نے اپنے چکار کو دیوار سے رگڑتے ہوئے کہا۔

ہنگامہ جاری رہا۔ رحمان صاحب کا مقابلی بھی کمزور آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا قیدی دیوار سے لگا کھڑا اس طرح ہاتھ پر ہاتھ جیسے وہ خود بھی کسی سے چھٹھا ہو۔ لیکن اس کی ٹانگوں میں دیوار کی سہنپ پر بے تعلقی اب بھی پاپی جاری تھی۔ زبان اب بھی بند تھی۔

پھر یہ کھلی اسی وقت ختم ہوا جب دو مقابلے پوش کرے میں داخل ہوئے۔ ... رحمان صاحب پھیتھے "دیکھو...."

رحمان نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ ... نقاب پا شوں کے ہاتھوں میں ریو اور تھے لیکن ان کے برخ دلوں غیر ملکیوں کی طرف تھے....!!

"ان سخون کو جیل پہنچاؤ " عمران نے کہا۔

"لُج لُج یعنی کہ " ایک غافل پوش ہمکاریاں۔

"ہاں۔ ڈائریکٹر جزل صاحب سمیت! " عمران نے کہا اور دروازے کی طرف مزدگی رحمان صاحب نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر بختی سے ہونٹ بخوا کر لیے۔

O

بلیک زیر و آنکھیں چڑا پھاڑ کر عمران کو گھوڑہ باتا !

وفتحاً عمران تیزی سے جھکا اور بلیک زیر و اچھل کر دروازے کی طرف بھاگ۔ عمران نے قبھہ لکایا۔ وہ تو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا۔ بلیک زیر و رک کر مزا اور متین رانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"اب میں پاکیں نہیں ہوں گدھے۔ " عمران مسکرایا۔ "میری یادداشت داپس آگئی ہے۔ لاوہ نکالو میرے سلاڑھے پائی روپے جو تم نے اس دن اوحاد لیتے تھے۔"

"اوہ " بلیک زیر و نہیں پڑا۔

تمہوڑی دیر بعد عمران ہس ہنگانے کی وجہ بیان کر رہا تھا۔

"جبور اسر پر چوت کھانی پڑی تھی۔ اب تم میر اسلام اس قلیٹ سے ہٹوائے آئندہ وہاں نہ رہ سکوں گا۔ خدا میز پھٹا کیا کے گناہ معاف کرے نہ نہیں مطلب یہ کہ نہیں ہاں تو کہنے کا مطلب یہ کہ وہ محض آلات کار تھی اگر وہ سر پھاڑنے پر آمادہ نہ ہوتی تو کسی گاڑی سے گلراضا پر تا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح اسپتال ہی کے توسط سے گھر بچھنی جاؤں نہ بچھتا تو اس وقت پڑو دی سمجھے یہم سمجھتے ہاں اسکی عیبات تھی اگر قبلہ والد صاحب کو ان خطرات سے اگاہ کرتا جن میں وہ گھرے ہوئے تھے تو انہیں اس پر قلعی یقین نہ آتا۔ لہذا !"

"تو کیا ڈائریکٹر صاحب نے آپ کو آزاد کر دیا تھا میں نے بتا تھا کہ انہوں نے آپ کو ایک کرے میں بند کر رکھا ہے اور قتل کی کنجی ہر وقت اپنے پاس ہی رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ساختا کرہا اس وقت بھی مقتل ہو گا یہ بھی ایک راز ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ وہ میر اذانی کر رہے ہے سب سے الگ تھلک! بھیش سے اسی میں رہا ہوں۔ ایک بار کچھ دنوں کے لیے عمارت خالی ہو گئی تھی پرانا قصہ ہے میں نے ملازموں کو بھی چھٹی دے کر دہاں راتوں

میں کام کیا تھا اور ایک چور دروازہ بنا نے میں کام بجا بھاڑکا ہو گیا تھا۔ بھی بڑی محنت کرنی پڑی ہے اس سلطنت میں پار پار اس کہنے سے اس کرے میں بھاڑکا بڑتا تھا۔ محمد نبی تھا کہ کسی طرح اس کرے میں بھی جاؤں جس میں چور دروازہ ہے پھر وہیں جنم گیا تھا۔ چانتا تھا کہ بند ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ جن حرکتوں کی بنا پر بند کیا گیا تھا ان کے بغیر قبلہ والد صاحب کے غیر ملکی مہماںوں کی مشکلیں نہ دیکھے سکتے۔ شہرو سنتر رہو... ہاں اب انہیں کی طرف سے آرہا ہوں۔ کوئی چار ملہ پہلے کی بات ہے کہ لندن آفس سے مجھے اس اسکیم کی اطلاع ملی تھی... ہمارے یہاں ایک خطرناک قسم کا غیر ملکی جاسوس قید تھا لیکن وہ دراصل بر طابوی حکومت کا قیدی تھا۔ ایسا قیدی جس کے متعلق ابھی تک فصلہ نہ ہو سکا تھا کہ وہ صحیح آدمی ہے یا نہیں... انہیں لیے اس کے مسئلے میں کافی رانداری برتنی جادھی تھی اسکاٹ لینڈ یارڈ سے دو توی آنکھاں تھے اسے لینے کے لیے اور ایک ایسا آدمی ہر ماں سے آنے والا تھا جو اس جاسوس کی شاخت کر سکتا۔ بہر حال لندن آفس سے مجھے اطلاع ملی کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے دونوں آفسرو والد صاحب کے مہماں ہوں گے اور جاسوس کی شاخت ہو جانے پر بہت خاموشی سے اسے اپنے ساتھ لندن لے جائیں گے۔ ایک دوسرا ملک بھی اس جاسوس میں دشمنی لے رہا تھا۔ دراصل اس کے ایجنٹوں سے اس کے متعلق میرے ایجنٹوں کو معلوم ہوا تھا۔ اس ملک بکے ایجنٹوں کی اسکیم یہ تھی کہ وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے آفسروں کو راستے ہی سے غائب کر دیں اور ان کے کاغذات پر قبضہ کر کے والد صاحب کے مہماں ہو چائیں۔ اور پھر جاسوس کو شاخت سے پہلے ہی ایسا اسی دراصل اسی ملک کا جاسوس تصور کیا جاتا ہے جس کے ایجنت الائے جلتا جائتے تھے۔ ہاں تو اس کے لیے انہوں نے بڑے پاپڑ بیلے تھے ان دونوں آفسروں کے ہمیشہ ملکی تھاں کے... اور انہیں اس کام پر ماموروں کیا مجھے لندن ہی کے آفس سے یہاں کی ایک لاکی کا نام اور پچھلے معلوم ہوا... جو ان دونوں شاید شہر میں میں نے اس پر ذور سے ڈالے... اسی سے کسی کہنے کا علم ہوا... جو ان دونوں شاید شہر میں موجود نہیں تھا۔ بہر حال میں نے صدر اور خاور کو اس کی حالت پر مامور کر دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ لاکی مخفی ایک معمولی ہی ایجنت ہے اور کسی دوسرے سے احکامات حاصل کرتی ہے جو کہنے کے ذریعہ اس تک جانچتے ہیں۔

”مگر کہا بھی کوئی معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔“ یہیک زیر و نے کہا اور صدر کی کہانی

دہرا کی...!

”ہاں ہو سکتا ہے.... کنی چکر معلوم ہوتے ہیں۔ کنی مالک کے جاؤں۔ گھری نظر رکھنی پڑے گی۔ اب یہ تم نے کسی ایسے آدمی کا بھی تذکرہ کیا ہے جس سے کمزرا بھی خائف ہے.... اسے بھی دیکھنا پڑے گا....“

”وہ بھی آسمانی سے پچھانا جائے گا بڑی عجیب شکل ہو گی جتاب.... پیشانی سے ناک ہج چہرہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔“

”یقین نہیں آتا۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑھ لیا۔ ”خیر دیکھا جائے گا۔ ہاں تو اس چکر میں آگئے تھے قبل والد صاحب! اگر چونکہ انہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے اس لیے سر پر چوتھ بھی کھانی پڑی اور بجنوں بھی بختا پڑا خیر.... ہاں تو وہ لڑکی ایک رات قتل کر دی گئی۔ مار تھام تھا.... لیکن اس کے قتل میں بھی کہرے یا اس کے آدمیوں کا تھا تھ نہیں ہو سکا۔ وہ رقبات کی بنا پر قتل ہوئی تھی۔ پانچ آدمیوں پر شہر ہے مجھے ان میں سے ایک یقینی طور پر اس کا قاتل ہے.... خیر یہ پولیس کیس ہے.... اچھا باب سنو!“

عمران نے ایک طویل سانس لی اور سوچنے لگا۔ بلیک زیر ٹونے کہا۔ ”لیکن آپ کا معافہ تو کسی اکیشنشوں نے کیا تھا اور میری معلومات کے مطابق ان کا متفقہ فیصلہ بھی تھا کہ آپ یادداشت کو پیٹھے پیس۔“

”ترکیب نمبر پانچ۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبائی۔ بس معائنے سے پہلے ایک چکلی چڑھا لیتا تھا۔ میری اپنی دریافت ہے.... ایک پودے کی پتیوں پر پالا جانے والا بھورے رنگ کا سفوف جو تقریباً دو گھنٹے کے لیے عارضی طور پر ذہنی اور اعصابی اختلال میں جلا کر دیتا ہے۔

”تمکل ہے جتاب۔ اب سر کے زخم کا کیا حال ہے؟“

”ٹھیک ہلا ہے....“ عمران نے پھر شندی سانس لی۔ ”بہت کام کرنا پڑے گا۔ کہانی لمی معلوم ہوتی ہے.... کمزرا میرے لیے ایک مستقل ابھن بنا ہوا ہے.... اچھا بھی اب چلا....!“

O

یہ کہانی گھر میں ہر ایک کو معلوم ہو چکی تھی۔ اماں بی جیسی سنجیدہ عورت بھی بے ساختہ بہ پڑی تھیں اور شیا کا تو بر احوال تھا اس طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی جیسے عمران کی بوٹیاں ہی نوج

ڈالے گی۔ اس کا کرہ اب بھی مقلع ہی تھا۔ رحمان صاحب پہلے تو سینک بھجے تھے کہ کسی نے کوں دیا ہو گا۔ لیکن پھر؟ بہر حال کرہ کھونے سے پہلے ہی انہیں نیکم صاحبہ کو مطمئن کرنا تھا۔ کرہ کھولا گیا اور رحمان صاحب بوكلا کر بیٹھے ہٹ آئے۔ عمران سامنے ہی پڑا بے خبر سورہ تھا۔ جتنی دیر میں کسی کو کچھ کہنے سننے کا ہوش آتا تھا۔ جبکہ کرہ نہ ہے پانی کی بالائی اخلاقی۔ پھر قمل اس کے کہ کوئی اسے روک سکتا۔۔۔ وہ سوئے ہوئے عمران پر خلی بھی ہو گئی۔

”ہوںی قادر...“ ”عمران دہارتا ہوا اللہ بیٹھا۔“ اب اردو میں ارے باب دے... ہائی!“ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور آنکھیں چھڑا چھڑا کر ہاروں طرف دیکھنے لگا۔۔۔ پھر بولا۔ ”میں کہاں ارے ملاں بی... آداب... اور ذیلی... آداب آداب... شریا... تین بار آداب... میں یہاں کیسے؟“

”یادداشت و اہم آگئی نا؟“ تریانے بر اسمانہ ہنا کر پوچھا۔

”بب بب بالکل!“ عمران سردی سے کامبھتا ہوا بولا۔ ”مردیوں میں خشنہ اپانی پہلے مزان پوچھتا ہے اور پھر یادداشت بھی و اہم لے آتا ہے... الحمد للہ...!“

”سور... کھل کا۔“ رحمان صاحب آہتہ سے بڑھائے اور دوسرا طرف چلے گئے...!

O

دوسری شام کو عمران نے داش منزل سے رحمان صاحب کو رنگ کیا تھا۔ اس کیس کے مخفف پہلوؤں پر دیر ٹک گلکھو ہوتی رہی۔ پھر رحمان صاحب نے کہا۔ ”آخر کمزے کو کیوں روکا جائے۔ ان لوگوں نے اس بے چارے پر بھی تو ظلم کیا تھا۔“

”می نہیں!“ عمران نے جواب دیا۔ ”ھم ایک ڈرامہ تھا جو آپ کے لیے اٹھ کیا گیا تھا۔ کہا خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے قیدی کو لے جانے کی ایکم توبیائی تھی اور انہیں یقین تھا کہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ لیکن قیدی سے متعلق چند کاغذات کا مسئلہ پھر بھی باقی رہتا۔ کاغذات آپ کی تحولیں میں تھے... وہ آپ کو کہائے کے مکان میں اسی لیے لے گئے تھے کہ کاغذات حاصل کر سکیں لیکن انہیں یقین نہیں تھا کہ آپ آسانی سے ٹکست تسلیم کر لیں گے۔ فہذا یہ پروگرام بھیجا تھا کہ ناکامی کی صورت میں آپ کو کہائے کے ساتھ قید کر دیں گے... اور کہا آپ کا ہمدرد ہن کر کا کاغذات کا سر اٹھانے کی کوشش کرے گا وہ انتہائی مکار آدمی ہے۔“

”لیکن کہرے نے قطعی طور پر زبان بند کر لی ہے...!...“

”مشکل ہی سے قابو میں آئے گا...!“ عمران نے کہد

”مگر تم اس کے مکان تک کیسے پہنچ سکتے؟“

”آپ کی گاڑی کی ڈکی میں چھپ کر...!“

”کہرے سے کیسے نکلتے تھے...?“

”وہ... اوہ... اوہ...!“ عمران ماٹھ تھیں میں ہکلایا۔ ”ہائی۔ یہ کیا ہوندا ہے...“

”مجھے... شش شاید میں پھر سبب کچھ بھولتا جا رہا ہوں... سلام الحمد...؟“

اس نے سلسلہ مقطوع کر دیا...!

FINAL